اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لـہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

| فون نمبر | | | |
| --- | --- | --- | --- |
| رہائش | ۲ | جلد نمبر | ۲۰ |
| دارالعلوم | ۴ | شمارہ نمبر | ۹ |
| الحق | ۴۰ | رمضان المبارک | ۱۴۰۵ھ |
| | | جون | ۱۹۸۵ء |

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

مدیر : سمیع الحق

# اس شمارے میں



## بدل اشتراک

| | | | |
| --- | --- | --- | --- |
| پاکستان میں سالانہ | -/۴۰ روپے | بیرون ملک بحری ڈاک | چھ پونڈ |
| فی پرچہ | چار روپے | " " ہوائی ڈاک | دس پونڈ |

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# نقشِ آغاز

شوال سے دینی مدارس کا تعلیمی سال شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے اسلاف کی اخلاص و للہیت استغنا اور بے نیازی زہد و تقویٰ کی کیا حالت تھی اور آج ہم اور ہمارے علما کس مقام پہ کھڑے ہیں۔ اس سے اپنی حالت کا موازنہ کرنا ہو تو کبھی کبھی اپنی سنہری تاریخ کے جھروکے میں جھانک لینا چاہئے۔

اسلامی تاریخ کے زریں اوراق میں ہمیں بے شمار بزرگوں کے حالات ملتے ہیں جنہوں نے دنیا کی متاعِ فانی کو ہیچ و حقیر جانا اور ارباب دولت و سطوت کی مادی شان و شوکت ایک لحظہ بھی ان کی نگاہوں کو خیرہ نہ کر سکی انہوں نے اپنے ان پاکیزہ نفوس کو طمع و لالچ اور ماسوا اللہ کی ہر امید و آس سے پاک و صاف کر دیا تھا۔ وہ اگرچہ دنیا کے علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب اور لوگوں کے اقلیم دل و دماغ کے تاجدار تھے۔ مگر ان کے تمام اوصاف کے گوہر آبدار کا یہی وصف استغناء عن الخلق اور شان بے نیازی رہا۔ انہوں نے ہفت اقلیم و ملک نیمروز کو ایک جو سے بھی حقیر سمجھ کر متاع الدنیا قلیل کہتے ہوئے ٹھکرا دیا۔ ہر آن دنیا کی بے ثباتی اور ہیچ میرزی کی حقیقت ان کے قلوب میں راسخ و ثابت ہوئی۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش کو بھی یہ کہہ کر رد کر دیا کہ وما اٰتانی اللہ خیرٌ مما اٰتاکم بل انتم بھدیتکم تفرحون کیونکہ ایک مومن کی نگاہ میں رب العالمین کی عظمت و سطوت کے سامنے دنیا کی فانی اور مصنوعی طاقت و قوت کی کیا وقعت ہو سکتی ہے جب کہ یہ سب کچھ چند روزہ متاع اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور وما عند اللہ خیر و ابقیٰ یہاں ان خاصانِ حق اور صلحائے امت کے چند واقعات پیش کئے جا رہے ہیں۔

---

ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی تابعی جو اقلیم علم و عمل کے تاجدار تھے۔ ارباب دولت اور شہرت و نمود سے دور بھاگتے یہاں تک کہ لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام راستوں سے ہٹ کر دور دراز راستوں اور گلیوں کو اختیار کر لیتے کہ لوگوں کی نگاہ سے بچیں۔ ارباب جاہ و سطوت سے اعراض و گریز کا یہ عالم تھا کہ فرماتے تھے کہ مجھے اپنا لڑکا بلکہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہے لیکن میرے گھر پہ خلفاء و سلاطین اور مجالس میں امراء و حکام کے آنے کے عوض میں اپنے بیٹے کے دفن کرنے کو ترجیح دوں گا۔

حضرت اعمش جلیل القدر تابعی اور اجلۂ امت میں سے ہیں۔ ساری زندگی زہد و قناعت اور فقر و احتیاج میں

گذری۔ کبھی بھی ضروریاتِ زندگی سے اطمینان حاصل ہوا مگر باین ہمہ فقر و غربت، امراء و ارباب دولت سے نہ صرف اعراض و بے نیازی کرتے بلکہ انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتے۔ امام شعرانی لکھتے ہیں کہ اعمش کو روٹی تک میسر نہ تھی لیکن اس کے باوجود ان کی مجلس میں اغنیاء اور سلاطین سب سے زیادہ حقیر اور فقیر معلوم ہوتے ہیں۔ فقر و احتیاج کے باوجود جرأت و بیباکی کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام نے کسی ایسے مسئلہ کے بارے میں ان کو لکھا جس سے صحابہؓ کے ایک گروہ پر تنقید مقصود تھی۔ تو انھوں نے شاہی پیغام رساں کے سامنے ہی یہ خط بکری کو کھلا دیا اور کہا کہ اس خط کا یہی جواب ہے۔

---

اسی عہد کے دوسرے یگانۂ علم و فضل اور یکتائے زہد و تقویٰ تابعی رجاء بن حیوۃ کا بھی یہی شیوہ رہا کہ امراء و سلاطین کے ہاں حاضری اور حاجب و دربان کی منت سے ہمیشہ اجتناب کرتے اور اگر کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ مجھ کو اس رب العالمین کی ذات کافی ہے جس کے لئے میں نے ان کو چھوڑا۔ ان کی زندگی کا اہم کارنامہ اور ملت محمدی ﷺ پر ان کا بڑا احسان یہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے انہی کے مشورہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز (مجدد اول) کو خلیفہ نامزد کیا۔ خانوادہ فاروقی کے گل سر سبد اپنے جد امجد سیدنا عمر فاروق رضؓ اور اپنے نامور والد حضرت عبداللہ کے سچے جانشین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضؓ کا بھی امراء کی داد و دہش سے بے نیازی کا یہی عالم تھا کہ ایک مرتبہ جب خلیفہ ہشام بن عبدالملک جب حج کرنے آیا اور کعبۃ اللہ میں حضرت سالم بن عبداللہ سے درخواست کی کہ اپنی حاجات اور ضروریات بیان فرما دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے گھر میں کسی غیر سے مانگوں۔

---

محبت الٰہی سے سرشار ان فقراء روزہا دے فقر و فاقہ اور شدت بھوک کے باوجود غیر اللہ سے طمع و لالچ تو کیا مشتبہ چیزوں تک احتراز کیا۔ مولانا گیلانی مرحوم نے خطیب بغدادی کے حوالہ سے حضرت جنید بغدادیؒ کے بارہ میں روایت درج ہے کہ حضرت حارث محاسبی ایک مرتبہ ان کے سامنے آئے چہرے سے معلوم ہوا کہ بہت بھوکے ہیں۔ حضرت جنیدؒ نے کھانا حاضر کرنے کی اجازت طلب کی جب اجازت ہوئی تو اکرام ضیف کے خیال سے حضرت جنیدؒ نے بجائے اپنے گھر، اپنے چچا (جو بہت دولت مند تھے) کے ہاں سے مختلف اقسام کے کھانوں کا سجا ہوا خوان لا کر پیش کر دیا۔ حضرت حارث نے ایک لقمہ لیا اور منہ میں گھماتے رہے لیکن نہ نگل سکے اور جب کھڑے ہو کر چلنے لگے تو دروازہ پر پہنچ کر اس لقمہ کو بھی اگل دیا۔ حضرت جنیدؒ نے وجہ پوچھی تو فرمایا بھائی میری ناک مشتبہ کھانے کی بو کو برداشت ہی نہیں کر سکتی۔

---

ریاستہائے متحدہ آگرہ و اودھ کے انگریز گورنر نے حضرت شیخ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ اس ارادہ کی اطلاع پھیلتے پھیلتے حضرت کے قصبہ گنج مرادآباد پہنچی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی کو سختی سے کچلا گیا تھا۔ اور انگریز کے دبدبہ اور ہیبت سے رعایا ہر وقت لرزاں و ترساں رہتی۔ ایسے وقت میں ایک انگریز گورنر کی آمد کی خبر سے گنج مرادآباد میں ہل چل مچ جانا لازمی بات تھی۔ گاؤں کی پوری آبادی گورنر کے استقبال وغیرہ کی تیاریوں میں لگ گئی۔ ادھر مریدوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ خانقاہِ شیخ میں نہ تو کوئی کرسی ہے نہ ڈیسک۔ جب کہ گورنر بغیر اس کے بیٹھ نہیں سکے گا۔ شیخ جو ابھی تک اس ہنگامہ سے بے خبر یادِ الٰہی میں محو تھے اس تگ و دو کی وجہ دریافت فرمانے لگے۔ جواب میں کہا گیا کہ ولایتِ متحدہ کے گورنر حضرت سے ملنے آرہے ہیں۔ اور یہاں اس کے شایانِ شان ایک کرسی تک نہیں۔ شیخ نے اس خبر کو حقیر اور معمولی سمجھتے ہوئے لوگوں کے اس اہتمام اور دوڑ دھوپ پر سخت ناگواری ظاہر کی۔ اب شیخ نے چاہا کہ ان کو اربابِ دنیا کی حقارت اور آخرت کی عظمت کا ایک ناقابلِ فراموش درس دیں اور انہیں یہ بتلا دیں کہ اہلِ دین کی نظروں میں دنیاوی اقتدار اور شوکت ہیچ ہے۔ اور ایک مومن کا دل کبھی ان فانی عظمتوں سے مرعوب نہیں ہو سکتا۔

شیخ نے اچانک خدام سے دریافت فرمایا کہ یہاں خانقاہ میں پانی کا مٹکا نہیں؟ جواب ملا کہ ہاں موجود ہے۔ تو فرمایا کہ اسے میرے نزدیک الٹا رکھ دیجئے۔ تاکہ گورنر آکر اس پر بیٹھ سکے۔ خدام حیرت سے خاموش رہے۔ جب گورنر آئے تو محبوبِ حقیقی کی عظمتوں میں مستغرق شیخ نے عام لوگوں کی طرح دیر تک اس سے باتیں کیں۔ کسی بات سے بھی یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ کسی ذی جاہ اور صاحبِ اقتدار حاکم سے باتیں کر رہے ہیں بلکہ حضرت شیخ نے گورنر کی حکومت پر تنقید کی۔ اور کہا کہ رشوت ستانی اور ظلم تمہاری حکومت میں عام ہو گیا ہے۔ گورنر کے ساتھ اس کی بیوی بھی آئی تھی جو قریب ہی بیٹھی تھی۔ حضرت نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا کہ تم لوگوں میں شرم اور حیا کی کمی ہے۔ گورنر آخر تک سر جھکائے خاموش کھڑا رہا۔

اور آج ہماری عمومی حالت کیا ہے؟ ع

ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

بدیع الحق

بابہ مجلس شیخ الحدیث

افادات شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ

ضبط و ترتیب : مولانا عبد القیوم حقانی

# صحبتے با اہل حق

**دردِ سر کا وظیفہ** ۲ر اپریل ۸۵ء حسبِ معمول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آج دار العلوم کے بعض اساتذہ، طلبہ اور اضیاف کے علاوہ دار العلوم کے مدرس مولانا السید اللہ صاحب حاضر خدمت تھے انہیں موقع ملا تو عرض کر دیا کہ حضرت پرسوں سے دردِ سر کی سخت تکلیف تھی آپ کا تعویذ باندھنا بھول گیا تھا۔ اس دوران نیند غالب ہوئی۔ تو خواب میں آپ کی زیارت ہو گئی۔ میں نے درد سر کی شکایت کی، آپ نے دوا عنایت فرمائی جب آنکھ کھلی تو دردِ سر پہلے سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ آپ کا ارشاد فرمودہ وظیفہ یاد آیا اور خواب میں آپ کا درد سر کی دوا عنایت فرمانا، گویا ورد اختیار کرنے کی تعبیر دل میں بیٹھ گئی۔ آپ نے بتایا تھا کہ جب دردِ سر ہو تو یہ وظیفہ کثرت سے پڑھو۔

اعوذ بعزۃ اللہ وقدرتہ وسلطانہ من شر ما اجد واحاذر۔

اللہ پاک شفائے کاملہ عطا فرمائے گا، پڑھا تو دردِ سر جاتا رہا۔ اور اللہ پاک نے آرام بخشا۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے ارشاد فرمایا دردِ سر کے لئے یہ اوراد پڑھ کر دم کرنا یا لکھ کر اپنے پاس رکھنا بھی مفید ہے۔

وبالحق انزلنا وبالحق نزل یا حی یا قیوم برحمتك استغیث ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ انا اعطینٰك الکوثر فصل لربك وانحر ان شانئك ھو الابتر

یہ سارا نہ ہو سکے تو صرف سورۂ کوثر ۵ مرتبہ پڑھ کر دم کرنا بھی مجرب اور مفید ہے۔

**جہادِ افغانستان اور ضرورتِ اتحاد** ۹ر مارچ ۸۵ء۔ افغان مجاہدین و مہاجرین کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا۔ مولانا موسیٰ جان صاحب۔ مولانا معراج الدین صاحب اور مولانا فضل احمد صاحب وفد بادست کر رہے تھے۔ بعض اہم امور پر مشورہ بھی لیا۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے اتفاق اور اتحاد کی طرف انہیں وصی توجہ دلائی، اور فرمایا کہ جنگِ اُحد میں معمولی اختلاف کی وجہ سے فتح شکست میں تبدیل ہو گئی ـــــ

خدارا مجاہدین کے تمام ذمہ دار قائدین تک میرا پیغام پہنچا دیں کہ آپس کے اختلافات کو بھلا دیں اور دشمن کے مقابلہ میں ایک بنیان مرصوص بن جائیں۔ ہم نے پہلے بھی اتحاد کی سعی کی ہے۔ اور اب بھی جاری ہے میں نے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کو ملاقات میں یہ واضح کر دیا تھا کہ دشمن نے مجاہدین میں تفرقہ ڈال کر غلبہ حاصل کر لیا ہے۔ ہمارے پاس صحیح مقابلہ اور غلبہ کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ آپس کے اختلاف بھلا کر دین وملت کے لئے سب بنیان مرصوص بن جائیں۔ میں نے صدر سے کہا کہ اگر آپ اس سلسلہ میں کچھ کرنا چاہیں تو بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں۔

**اتباع سنت فتح مندی کا زینہ ہے**

۲۵ مارچ۔ ارشاد فرمایا۔ کامیابی اور فتح مندی اور رضائے الٰہی کے حصول کا واحد زینہ "اتباع سنت" ہے۔ صرف اور صرف یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان دنیا اور آخرت میں درجاتِ عالیہ حاصل کر سکتا ہے اور اسی راستے کی برکت سے انسان مدارج کمال تک پہنچ جاتا ہے سنت رسول ﷺ کا راستہ مقبول راستہ ہے جو بھی اس راہ پہ چلے گا وہ بھی مقبول ہو جائے گا۔

مور مسکین کا واقعہ تو آپ نے سنا ہوگا اور مشہور شعر ہے کہ ؎

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

ایک عاجز مسکین چیونٹی کو شوق تھا کہ کعبہ پہنچنے کی سعادت حاصل کرے لیکن سفر کی طوالت اور اپنے ناتوان جسم، اور اگر چلے بھی تو پاؤں تلے روندے جانے کے اندیشے کے پیش نظر بہت پریشان تھی۔ آخر اللہ پاک نے اس کے ذہن میں ایک تجویز القاء فرمائی۔ کہ اپنے پاؤں چل کر پہنچنا تو بہت مشکل ہے۔ یہاں خانہ کعبہ کے کبوتر آتے جاتے ہیں تاک میں رہو جب کعبہ جانے والا کبوتر نظر آجائے تو اس کے پاؤں میں چمٹ جانا وہ اڑ کر کعبہ جائے گا تو اس کی وساطت سے تو بھی کعبۃ اللہ پہنچ جائے گی۔ بس انتظار میں رہی۔ جوں ہی خانہ کعبہ جانے والا کبوتر نظر آیا، آہستہ سے کھسک کر اس کے پاؤں سے چمٹ گئی۔ وہ اڑا، کعبہ پہنچا تو چیونٹی نے بھی خود کو کعبہ میں پایا۔

دست بر پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

تو ہم بھی مور مسکین ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، معیت، دیدار الٰہی اور اس نوع کے قرب الٰہی کے منازل بڑے بلند اور رفیع ہیں۔ ہماری چال اور پرواز اس قابل نہیں کہ ہمیں ان تک پہنچا دے۔ مگر اللہ نے طریقہ اور راستہ اپنی مخلوق کو بھی بتا دیا اور وہ راستہ سنت رسول ﷺ اور اتباع نبوی کا راستہ ہے اس مبارک وسیلے سے شفاعت ومعیت رسول ﷺ اور قرب الٰہی کی منزلیں جلد طے ہوں گی اور ہے بھی یہی ایک راستہ جس سے خدا ملتا ہے۔

تدریس یا جہاد | ۲۰ مارچ ۸۵ء۔ چند نوجوان جن میں علماء اور دارالعلوم کے فضلاء بھی تھے اور جو جہاد افغانستان سے تازہ تازہ آئے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عرض کیا، ہم نے خدا کے فضل سے دارالعلوم حقانیہ میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ پھر خدا نے وہیں افغانستان میں تدریس کے مواقع بھی فراہم فرمائے۔ مگر بدقسمتی سے روسی انقلاب سے ہمارے دینی مدارس بھی برباد کر دیئے گئے، کتابیں جلادی گئیں، یا دریا برد کردی گئیں۔ پھر آپ کی تربیت، ترغیب اور دعا کی برکت سے اللہ پاک نے جہاد کا موقع بھی عنایت فرمایا۔ اب جن علاقوں میں مجاہدین کا قبضہ ہے بعض دوستوں اور وہاں کے اکابر علماء کا یہ مشورہ ہے کہ وہاں عوام کی اصلاح و تربیت اور ان کے بچوں کے لئے دینی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا مقصد بھی یہی ہے کہ ہمیں اب مسلسل جہاد جاری رکھنا چاہیئے یا پھر سے درس و تدریس کا شغل شروع کردیں۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے فرمایا:

اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ اور امام اعظم ابوحنیفہؒ نے تفصیل سے مدلل بحث کی ہے کہ آیا اشتغال بالجہاد افضل ہے یا اشتغال بالعلم۔ ایک نے پہلے کو اور دوسرے نے دوسرے کو افضل اور راجح قرار دیا ہے مگر آپ سعادت مند ہیں کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو دونوں نعمتوں سے نوازا۔

تدریس اور جہاد کی دونوں فضیلتیں عطا فرمائیں، آپ تو مجاہد بھی ہیں اور معلّم بھی۔ تو آپ وہاں کے اکابر علماء سے مشورہ کر کے حالات کے مطابق قدم اٹھائیں۔ اولیّت جہاد کو دیں اور اگر موقعہ ملے تو پھر تدریس بھی کرتے رہیں۔ ابھی حضرت مدظلہ کی گفتگو جاری تھی کہ ایک مجاہد نے عرض کیا۔

حضرت میں نے خواب دیکھا ہے۔ کہ ایک بڑا کمرہ ہے جس میں مختلف قسم کے اعلیٰ قالین بچھے ہوئے ہیں۔ آپ ایک اونچی اور ممتاز جگہ پر تشریف فرما ہیں۔ دائیں بائیں آپ کے دیگر علماء اور مشائخ تشریف فرما ہیں۔ دوسری طرف ایک بہت بڑا دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ علماء اور طلبہ اور مہمان آپ کی دعوت پر آتے اور کھانا کھاتے ہیں۔ میں آگے بڑھا اور آپ سے مصافحہ کیا تو ..........

مجاہد مہمان کا ابھی خواب بیان کرنا جاری تھا کہ حضرت مدظلہ نے ان کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا۔ کہ یہ آپ کا حسن ظن اور حسن عقیدت ہے۔ جس کو خواب میں آپ کو دکھایا گیا ہے۔ پھر ہاتھ اٹھاتے اور سب حاضرین سے کہا۔ کہ دعا کریں کہ باری تعالیٰ ان منامی مبشرات کا ہمیں اہل اور مصداق بنا دے اور فی الواقعہ بھی ہمیں علوم دینیہ کا دسترخوان بچھانے اور اس پر حاضر ہونے والے اضیاف کی خدمت کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے۔ عام طور حضرت مدظلہ اپنی طبعی افتاد اور کمال شفقت کی بنا پر جو بھی بات کرتا ہے پوری سنتے ہیں۔ اور کسی کی بات نہیں

کاٹتے مگر یہاں خواب کا بیان جاری تھا کہ آپ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

میرا خیال ہے کہ خواب میں مدح اور تعریف کا پہلو غالب تھا۔ منہ سامنے تعریف کرنا اور تعریف سننا چوں کہ مضرت رساں ہیں اس لئے حضرت مدظلہ نے حکمت عملی سے ان کو تعریف کرنے سے روک بھی دیا اور ان کا دل بھی نہ دکھنے پایا۔

**شرح المہذب للنووی** | یکم اکتوبر ۸۴ء۔ حقائق السنن کے سلسلہ میں المجموع شرح المہذب للامام ابی بکر النووی کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی۔ احقر نے استاذ محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی خدمت میں عرض کیا تو انہوں نے پشاور آدمی بھیج کر فوراً منگوادی۔ اور نسخہ بھی ایسا منگوایا کہ شرح المہذب کے ساتھ فتح العزیز کے علاوہ حافظ ابن حجر کی تلخیص الحبیر بھی طبع ہوئی ہے۔ اس کی چند ایک جلدیں لے کر بعد العصر حسب معمول حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کتاب پیش کردی۔

جب کتاب کا نام سنا تو لپک کر کتاب کو ہاتھ میں لیا۔ بڑی مسرت اور خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ بار بار ورق الٹتے رہے نظر اور بینائی کے ضعف کی وجہ سے کتاب کے مطالعہ سے محرومی کا احساس ابھر ابھر کر سامنے آتا تو فرماتے۔ بس اللہ کو یہی منظور ہوگا۔ ایک وقت تھا جب پانچ منٹ بھی فرصت کے ملتے تو کتاب کے مطالعہ میں صرف ہوتے۔ اور اب بھی وقت آگیا ہے کہ شرح المہذب، فتح العزیز اور تلخیص الحبیر میرے سامنے ہے لیکن مطالعہ واستفادہ کی سعادت سے محروم ہوں۔

پھر جگہ جگہ سے احقر سے عبارت پڑھوائی اور پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

بیٹے! محنت سے کام کرو، ہر مسئلہ کی تحقیق کرو۔ کوئی چیز بے حوالہ نہ چھوڑو، میں دعا کرتا ہوں اللہ پاک آپ کو ان کتب سے صحیح استفادہ اور اخذ مسائل کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین

**دارالعلوم حقانیہ** | ۳۰ مارچ ۸۵ء۔ بعد از عصر حسب معمول قدیم دارالعلوم حقانیہ (مسجد حضرت شیخ الحدیث) میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ تشریف فرما تھے۔ احباب و مخلصین اور مہمانوں کا ہجوم تھا۔ دارالعلوم حقانیہ کی بنیاد اور تدریجی ارتقاء کی بات چھڑی تو ارشاد فرمایا۔

یہ مسجد (مسجد شیخ الحدیث) ہمارا اولین دارالعلوم ہے۔ ابتدائی دس پندرہ سال دارالعلوم اسی مسجد میں رہا۔ اس چھوٹی سی مسجد کے چاروں کونوں میں مدرسین سبق پڑھایا کرتے تھے۔ یہ برآمدہ ہمارا دارالحدیث تھا۔ پھر یہاں جگہ اور مزید گنجائش نہ رہی تو اللہ نے غیب سے انتظام فرمادیا اور موجودہ مقام پر دارالعلوم کو پہنچا دیا۔ یہاں بھی کھڈے تھے۔ پانی کے بڑے بڑے گڑھے تھے جب ہم کھڈوں اور گڑھوں کی بھرائی کرکے طلبہ کے لئے کمروں کی تعمیر کرتے تو اختلاف ہوتا۔ ساتھی کہتے کہ بھرائی زیادہ نہ کرو کہ فنڈ نہیں ہے۔ اور بھرائی پر زیادہ رقم خرچ آ

رہی ہے۔ اتنا فنڈ کہاں سے لاؤ گے۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم کے آدھے حصے کی سطح سڑک سے نیچے رہ گئی ہے وہ بھی زمانہ تھا کہ ہم دارالعلوم کے لئے ایک ایک اینٹ پر سوچا کرتے تھے کہ خریدیں یا نہ۔ اگر خریدیں تو فنڈ کہاں سے لائیں گے۔ پھر خدا کے توکل پر قدم اٹھا لیتے تو اللہ پاک غیب سے انتظام بھی فرما دیتا تھا۔

اور اب اللہ تعالیٰ کا بے حد فضل و کرم ہے کہ اللہ نے دارالعلوم حقانیہ کو دینی مدارس میں ایک ممتاز مقام سے نوازا ہے۔ پاک و ہند، بنگلہ دیش، عرب اور امریکہ و لندن اور دنیا کے گوشے گوشے تک دارالعلوم کا حلقہ وسیع ہو چکا ہے۔ اور اس کے فضلاء خدمت و اشاعت دین میں مصروف ہیں۔ حرمین شریفین سے مسلسل خطوط آ رہے ہیں اور میری حالیہ انتخابی مہم میں وہاں کے نیک بندے اور بعض اکابر اور بزرگ بھی دعائیں کر رہے ہیں اور اپنے اخلاص و محبت کے پیغام بھیج رہے ہیں۔

**اپنی اہلیت کی شہادت نااہلی کی دلیل ہے**

۲۴ مارچ ۸۵ء اسی مجلس میں ایک مخلص مہمان نے عرض کیا۔ حضرت! ہم نے سنا ہے اور اخبارات میں بھی پڑھا تھا کہ آپ نے انتخابات میں حصہ لیا ہے مگر خود اپنے لئے اپنا ووٹ استعمال نہیں کیا۔ یہ کیوں؟

تو ارشاد فرمایا۔

کسی کے حق میں ووٹ کا استعمال اس بات کی گواہی دینا ہے کہ یہ صاحب اس منصب کی اہلیت رکھتے ہیں اور اپنے بارے میں ووٹ استعمال کیا جائے تو گویا اپنی اہلیت پر آپ ہی شہادت دینا ہے اور دوسرے لفظوں میں دعویٰ کرنا ہے کہ اس کے لئے میں ہی اہل ہوں۔

تو اپنے بارے میں ووٹ ڈال کر میں خود کو کیسے اہل کہہ سکتا ہوں مجھے اپنی اہلیت اور گندگی معلوم ہے میں ایک غلط شہادت دے سکتا ہوں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ

اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون کیا ہے یہ تو یہاں کے اکابر علماء، مخلصین اور محبین نے اصرار کر کے مجھے انتخابات میں حصہ لینے پر مجبور کیا ہے یہ بھی ان کا حسن ظن ہے۔ میرے لئے عند اللہ و عند الناس انکار کی کوئی ... باقی نہ رہی[1] ورنہ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کا اہل نہیں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اہلیت عطا فرماوے۔

**دین کا کام آسان ہے**

۲ فروری ۸۵ء۔ لوگ کہتے ہیں دین کا کام مشکل ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ جتنا دین کا کام آسان ہے اس سے کوئی کام بھی زیادہ آسان نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دین محفوظ ہے اور اس کی حفاظت اور معاونت

باقی ص۲۱ پر

---

[1] اس کی مزید تفصیل کے لئے حضرت مدظلہ کا ایک خطاب (الحق فروری ۸۵ء) ملاحظہ فرماویں۔

اُس کے ماتھے کا پسینہ خشک ہونے بھی نہ پائے
آپ محنت کا صلہ دے دیجئے مزدور کو
کاش ہر آجر کے ہو پیشِ نظر قولِ رسولؐ
حرفِ آخر مان لے دنیا اسی دستور کو

ہو رسولؐ اللہ کا کردار اگر خضرِ حیات
خود ہی آدابِ حیات آجائیں گے جمہور کو

# علامہ محمد انور شاہ کشمیری
# کی
# فقہ حنفی کی تائید

## اسباب اور ثمرات

ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری
شعبۂ عربی امر سنگھ کالج، سری نگر کشمیر

حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ اگرچہ جملہ اسلامی علوم کے متبحر عالم تھے تاہم فقہ و حدیث میں ان کا مرتبہ نہایت بلند تھا اور اس میں وہ اپنے جلیل القدر معاصرین میں ممتاز اور منفرد تھے۔ اپنے دور کے ارباب ہی میں ان کی فقہی بصیرت مشہور ہوگئی تھی۔ بلکہ مولانا عبدالحی حسنیؒ نے انہیں سر برآوردہ فقہاء احناف میں شامل کیا ہے۔[1] انہوں نے فقہ کا تقابلی مطالعہ کیا تھا جسکی وجہ سے وہ مسائل کا آسانی کے ساتھ احاطہ کر کے مختلف پہلوؤں سے ان کی حقیقت نمایاں کرتے تھے۔ ان کی اس خوبی سے دارالعلوم دیوبند تشنگانِ فقہ کا مرکز و محور بن گیا۔ نیز آن کی اسی صلاحیت ہی کی بناء پر علامہ اقبالؒ اور مولانا آزاد ان سے مختلف قسم کی علمی و فقہی خدمات حاصل کرنے کے خواہشمند ہوئے۔ مولانا سعید احمد اکبرآبادی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے دارالعلوم سے مستعفی ہونے کے ایام میں علامہ اقبالؒ نے ایک بار کہا :

> "آج اسلام کی سب سے بڑی ضرورت فقہ کی جدید تدوین ہے جس میں زندگی کے سینکڑوں مسائل کا صحیح اسلامی حل پیش کیا گیا ہو، جن کو دنیا کے موجودہ اور بین الاقوامی سیاسی، معاشی اور سماجی احوال وظروف نے پیش کر دیا ہے۔ مجھ کو پورا یقین ہے کہ اس کام کو میں اور شاہ صاحب دونوں مل کر ہی کرسکتے ہیں۔ ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس وقت عالمِ اسلام میں ایسا نظر نہیں آتا جو اس عظیم الشان ذمہ داری کا حامل ہو سکے۔۔۔۔ میں شاہ صاحب کے سامنے سوالات پیش کروں گا اور وہ جواب دیں گے۔"[2]

چونکہ یہ کام اسی صورت میں ممکن ہو سکتا تھا جب ایک عالمِ دین کو جملہ مذاہبِ فقہیہ پر گہری نظر ہو مذہب اور قانون مذہب کی روح سے اچھی طرح واقف ہو۔ علامہ اقبالؒ جو خود قانون کے ماہر تھے، مولانا انور شاہؒ

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸
[2] حیات انور ج ص ۱۹۳

کے بارے میں مطمئن تھے کہ انہیں قدرت نے وہ سارے کمالات عطا کئے ہیں جو فقہ اسلامی کی جدید تدوین جیسے اہم اور نازک کام کے لئے خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ رسیخ العلم ہونے کے ساتھ تفقہ فی الدین کے سارے لوازمات جیسے دقائق و غوامض کی تحلیل قوتِ تطبیق، صحیح اسلامی سپرٹ کی شناسائی اور سب سے بڑھ کر مسلکی بے تعصبی اور علمی دیانتداری سے آراستہ ہیں۔ خود علامہ محمد زاہد الکوثری مصری ؒ نے ان کی اسی بصیرت اور فقاہت کو دیکھ کر کہا تھا:

"احادیث کے معانی اور مباحث میں غوّاصی کرنے میں علامہ ابن ہمام کے بعد اس اُمت میں اس پایہ کا فقیہ نہیں گزرا ہے یہ کوئی کم زمانہ بھی نہیں ہے۔" (نفحۃ العنبر و حیاتِ انور: ۲۰۹)

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری اپنے استاد (حضرت شاہ صاحب ؒ) کی فقہی بصیرت و بصارت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علامہ کشمیری ؒ نے امام محمد بن حسن شیبانی ؒ کی تصانیف خاص طور پر مؤطا، کتاب الآثار اور کتاب الحج کا نہایت رسوخ و اتقان کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔ پھر شمس الائمہ سرخسی ؒ کی مبسوط[۲] اور امام طحاوی کی

---

[۱] مولانا عبد الماجد دریابادی اپنی تصنیف "حکیم الامت: نقوش و تأثرات" میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:
"مولانا انور شاہ کی بزرگی اور علم و فضل کے مولانا محمد علی جوہر بھی قائل تھے لیکن رائے وہی رکھتے تھے جو بعض اکابر حنفیہ نے ابن تیمیہ ؒ سے متعلق ظاہر کی ہے کہ ان کا علم و فضل ان کی فہم سے بڑھا ہوا تھا۔"
(حکیم الامت: ص ۱۱، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء)

مگر جن حضرات کو حضرت شاہ صاحب ؒ کی خدمت میں بیٹھنے اور ان سے مستفید ہونے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملا ہے ان کے تأثرات بالکل مختلف ہیں۔ کہیں سے ان کے فہم کی کمی کا کوئی تأثر نہیں ملتا ہے۔ اصل میں یہ رائے مولانا جوہر ہی کے بارے میں ان کے بعض مخلص ناقدین رکھتے ہیں اس کے لئے ڈاکٹر عبد الحق کا کتابچہ "چند ہم عصر" میں مولانا محمد علی کا تذکرہ اور سید علی عباسی صاحب کی تصنیف "تحریکِ خلافت" دیکھے جا سکتے ہیں۔

[۲] یہ کتاب امام محمد بن حسن الشیبانی ؒ کی مبسوط کی شرح ہے جس کی اہمیت و عظمت کا اندازہ لگانے کے لئے بس اتنا ہی کہنا کافی ہے کہ یورپ کا ایک فاضل مستشرق یہ کتاب پڑھ کر اتنا متاثر ہوا کہ اسلام قبول کیا اور کہا کہ یہ چھوٹے محمد کی کتاب کی شان ہے بس بڑے محمد ﷺ کی کتاب (قرآن) کی عظمت کا کیا حال ہوگا۔ ھذا کتاب محمد کم الاصغر فکیف کتاب محمد کم الاکبر
بلوغ الامانی: علامہ محمد زاہد الکوثری: ص ۶۱

معانی الآثار اور مشکل الآثار کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ خود ایک بار فرمایا: "میں نے امام طحاوی کا بیس مرتبہ مطالعہ کیا اس کے باوجود کبھی آنکھوں پر اطمینان نہیں ہوا" اسی طرح مذاہب اربعہ کی چوٹی کی کتابیں از اول تا آخر مطالعہ کیں اور اپنی قوتِ حافظہ کی مدد سے یہ سارا ذخیرہ ان کے قلب و دماغ میں محفوظ رہا اور جس وقت جس چیز کو پیش کرنے کی ضرورت ہوتی تھی یہ سارا ذخیرہ آنکھوں کے سامنے پھرتا تھا۔ مولانا بنوری لکھتے ہیں:

لم یکتف فی الفقہ بمطالعۃ الفقہ الحنفی بل طالع من کبار کتب الفقہ المالکی والشافعی والحنبلی ما یقضی العجب ویورث الحیرۃ[1] ...

انہوں نے احناف کے کتب فقہ کے مطالعہ پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ مالکی، شافعی حنبلی وغیرہ مذاہب کی چوٹی کی فقہی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا تھا اور یہ مطالعہ اتنا پھیلا ہوا تھا کہ حیرت ہوتی ہے۔

امام ابوبکر کاسانی کی بدائع الصنائع اور ابن نجیم کی البحر الرائق، ان کے برادر عالی قدر کی النہر الفائق، علامہ شامی کی ردّ المحتار اور امام شافعی کی کتاب الامّ کی ایک ایک سطر زیر نگاہ تھی۔ الام سے بے حد متاثر تھے اور فرماتے تھے:

کلما اطالع کتاب الامّ یقع فی قلبی انّ امام الشافعی من اذکیاء الامّۃ[2] ...

جب جب میں کتاب الامّ کا مطالعہ کرتا ہوں تو یہ بات میرے دل میں جگہ پکڑتی ہے کہ امام شافعی صاحبؒ اذکیاء امّت سے ہیں۔

بدائع اور الصنائع کو اپنے فن میں عظیم الشان کتاب قرار دیتے تھے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر یہ چند کتابیں محفوظ و موجود ہوں اور پھر سارا علم تلف ہو جائے تو کوئی پیدا نہیں ہے۔ حدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی فتح الباری، علم معانی و بیان میں علامہ بہاء الدین کی شرح تلخیص المفتاح، نحو میں اشمونی، منطق میں بحر العلوم کی شرح سلّم، فقہ میں بدائع الصنائع اور اصول فقہ میں تحریر الاصول و اس کی تلخیصات[3]۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ عراقی حنفی فقہاء کی تالیفات علمائے خراسان کی تصانیف سے زیادہ محکم اور معتبر ہیں لیکن علامہ ابوبکر کاسانی کی بدائع الصنائع، باوجود اس کے کہ علامہ کاسانی خراسان سے تعلق رکھتے تھے ثبت و اتقان میں علمائے عراق کی تالیفات ہی کے مانند ہے۔ جو کوئی بھی شخص اس کا بغائر مطالعہ کرے گا۔ وہ فقیہ النفس بنےگا۔ اسی طرح علامہ ابن ہمام کی فتح القدیر، جو اصول فقہ جیسے موضوع پر کئی ضخیم جلدوں پر پھیلی ہوئی کتاب ہے، کا مطالعہ صرف بیس دن میں کیا تھا اور وہ بھی اسی طرح کہ کتاب الحج تک اس کی تلخیص بھی کی تھی۔ اور ابن ہمام نے مصنفِ ہدایہ پر جتنے اعتراضات کئے ہیں ان کے جوابات بھی قلمبند کئے تھے۔ اس سرعت مطالعہ کے ساتھ ساتھ ہزاروں

---

[1] نفحۃ العنبر من ھدی الشیخ الانور: ص ۸۵ (مطبوعہ ڈابھیل) [2] نفحۃ العنبر: ص ۸۵
[3] کشکول: ص ۲۱۸، کراچی۔

صفحات پر پھیلی ہوئی یہ کتاب اس طرح جذب کی تھی کہ خود ایک بار فرمایا: ۲۶ سال قبل اس کتاب کا مطالعہ کر چکا ہوں اور آج تک اسکی طرف مراجعت کرنے کی ضرورت بھی نہ پڑی۔ اگر آج بھی اس کا مضمون بیان کروں گا تو بہت کم فرق پاؤ گے[1] ایک اور مرتبہ یہ بھی فرمایا کہ ابن ہمام نے اس کتاب میں حنفی مذہب کی جتنی بھی دلیلیں پیش کی ہیں، وہ سب علامہ جمال الدین زیلعی کی تخریج (نصب الرایۃ) سے مستفاد ہیں۔ صرف تین جگہیں اس استفادے سے خالی ہیں جن میں ایک مہر کا مسئلہ ہے[2] تاہم علامہ انور شاہؒ ابن ہمامؒ کو نہ صرف فقہائے احناف میں بلکہ جملہ مذاہب اربعہ میں اصول فقہ کے بے نظیر محقق مانتے تھے۔ مولانا بنوری لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| كان شيخنا ومولانا الشيخ محمد انور شاه رحمه الله تعالى يقول ليس في علماء المذاهب الاربعة اصوليًا محققًا مثل المحقق ابن الهمام وكان يقول كتابه تحرير الاصول كتاب لانظير له في الضبط والاتقان ولكنه من اصعب الكتب[3] ... | ہمارے استاد مولانا محمد انور شاہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ مذاہب اربعہ میں ابن ہمامؒ جیسا کوئی محقق اور ماہر اصول فقہ نہیں گزرا ہے۔ وہ (حضرت شاہ صاحب) ان کی کتاب تحریر الاصول کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ کتاب منبط و اتقان میں بے مثل ہے تاہم کتابوں میں بڑی مشکل اور دقیق بھی ہے۔ |

اسی طرح علامہ برہان الدین مرغینانیؒ کی شہرہ آفاق کتاب ہدایہ سے مرعوب کی حد تک متاثر تھے اور کہتے تھے کہ ائمہ اربعہ کی فقہی کتابوں میں ہدایہ جیسی کتاب موجود نہیں ہے۔ یہ بھی کہتے تھے کہ بعض علماء نے جو یہ کہا ہے کہ ہدایہ امام سرخسی کی مبسوط سے ماخوذ ہے میرے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ ہدایہ کی ادبی مٹھاس اور اسکی جزالت و فخامت اس سے ابا کرتی ہے[4] صاحب ہدایہ کی مختصر نگاری، حسن تعبیر اور استیعاب مسائل ان کے ایسے کمالات ہیں جن کا مظہر اتم ہدایہ ہے۔ مذاہب اربعہ میں اس شان اور اسلوب کی دوسری کتاب موجود نہیں ہے[5] یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی شیعہ فاضل نے کہا ہے کہ مسلمانوں میں عربی ادب کی کتابیں صرف تین ہیں: قرآن حکیم، صحیح بخاری

---

[1] نفحۃ العنبر: ص ۳۸، مطبوعہ ڈابھیل سورت ۱۹۳۶ء

[2] ایضاً [3] بغیۃ الاریب فی مسائل القبلۃ والمحاریب۔ (علامہ بنوری محدث: ص ۱۲۴)

[4] بغیۃ الاریب: ص ۱۲۴ مطبوعہ مصر۔

[5] نصب الرایۃ، مقدمہ: محدث بنوریؒ: ص ۸

اور ہدایہ فاضل موصوف نے بالکل درست کہا ہے [۱] علامہ کشمیری یہ بھی فرماتے تھے کہ صاحب ہدایہ کو تفقہ میں جو مرتبہ حاصل ہے۔ صاحب درِ مختار جیسے ہزار فقہا بھی اسے نہیں پا سکتے ہیں۔ صاحب درِ مختار کا علم کتابی علم ہے جبکہ صاحب ہدایہ کا علم علم سینہ ہے۔ مجھے ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ فتح القدیر جیسے اسلوب میں کتاب لکھ سکتے ہیں۔ میں نے کہا: ہاں، اس نے پوچھا کہ کیا ہدایہ کے اسلوب و انداز میں بھی؟ تو میں نے جواب دیا، ہرگز نہیں یہاں تک کہ اس جیسی عبارت میں چند سطور بھی نہیں لکھ سکتا۔

ہدایہ کے الفاظ موتیوں کی مانند ہیں جو معانی و مطالب کے مغز اور جوہر پر حاوی ہیں [۲] علامہ کشمیری کی اس رائے کی تائید ایک مغربی ماہر قانون کے تبصرے سے ہوتی ہے۔ موصوف نے عربی میں ہدایہ کا مطالعہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کے فرانسیسی ترجمے کو پڑھا تھا۔ اس نے لکھا ہے: "اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے۔ اور ایک ایسا فلسفۂ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں [۳]"

ان اہم ترین فقہی تصانیف کے علاوہ حضرت شاہ صاحبؒ نے ہند اور ہند سے باہر ان بیشمار شروح و حواشی کا مطالعہ کیا تھا جن کی صحیح تعداد خدا ہی جانتا ہے۔ اور جن کا کچھ حوالہ ان کی تصانیف، امالی اور ملفوظات میں ملتا ہے۔

فنی اور علمی اعتبار سے مولانا انور شاہؒ نے فقہ اسلامی کی کیا خدمات انجام دی ہیں اور فقہ کی ترتیب اور تشکیل جدید میں ان کے تحریری سرمائے سے کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے ہمیں کیا راہنمائی مل سکتی ہے۔؟ اس موضوع پر اصحاب فن ہی قلم اٹھا سکتے ہیں۔ اور زیر نظر مضمون میں اس نازک موضوع سے تعرض کرنے کا مضمون نگار کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار کو ان اسباب اور وجوہ کا کھوج لگانا مقصود ہے جو علامہ انور شاہؒ کی مسلک حنفی کی تائید کے پیچھے کارفرما تھے۔ طالب علموں کو یہ جاننے کی خواہش ہے کہ اگر علامہ ممدوح وسیع النظر عالم دین اور اپنے وقت کے ممتاز ترین محدث و فقیہ تھے۔ تو فقہ میں ان کا مقلد محض ہونا اور فقہ حنفی کی تائید و توثیق کو اپنی علمی خدمات کا جزو بنا دینا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ کیا یہ کسی مسلکی تعصب کا ردعمل تھا یا ان کی تقلید کسی گہری

---

[۱] نامناسب نہ ہوگا اگر ہم ڈاکٹر مولوی عبدالحق کی زبان سے شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی مرحوم کا ایک قول یہاں نقل کریں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ مرحوم صحیح بخاری کے بڑے مداح اور قدر دان تھے۔ اور کہتے تھے: "عربی زبان سیکھنے کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ ہدایہ کے بھی وہ بہت ثنا خواں تھے۔ اور جس قدر مختلف نسخے ان کے پاس بکنے کو آتے وہ خوشی خوشی انہیں خریدتے تھے۔" (چند ہم عصر: ص ۱۰۳)

[۲] نصب الرایہ (مقدمہ) ص ۱۴

[۳] صدق جدید ۱۸ اگست ۱۹۶۱ء

تحقیق پر قائم تھی ؛ کیا اس تائید سے انہوں نے وقت کی کوئی اہم ترین خدمت انجام دی ہے یا ایسا کرنے سے انہوں نے اپنی عمر ضائع کی ؟[1] یہ فقہ سے کہیں زیادہ تاریخ سے تعلق رکھنے والا موضوع ہے اور نہ صرف طالب علموں کے لئے دلچسپ ہے بلکہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی حیات، شخصیت اور کارناموں کا نہایت ہی اہم حصہ ہے۔ ہم نے اس موضوع پر جو کچھ مطالعہ کیا ہے اور بالآخر جس نتیجے پر پہنچے ہیں اسے بالاختصار قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ فقہ میں بلاشبہ مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے مگر اس کے باوجود وہ مقلد محض تھے۔ خود فرماتے ہیں :

| | |
|---|---|
| ما من فنٍّ الّا ولی فیہ رأیٌ الّا الفقہ | میں تمام علوم و فنون میں اپنی رائے رکھتا ہوں |
| فانا فیہ مُقلّد صرف ۔ | ہاں ! فقہ میں ، میں مُقلّد محض ہوں ۔ |

(فیض الباری ج ۳ ص ۱۷)

---

[1] ندوۃ العلماء کے فارغ التحصیل ایک سلفی مصنف نے صاف صاف لکھا ہے کہ مولانا انور شاہ صاحب نے ایسا کر کے اپنی عمر ضائع کی۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ بوڑھے تھے اور بڑھاپے کے زیر اثر اس غیر ضروری کام میں لگ گئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اللمحات الی ما فی انوار الباری من الظلمات۔ ج اول) واضح رہے علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کے انتقال پر حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے معارف کے شذرات میں جو خراج عقیدت پیش کیا تھا اس میں یہ الفاظ بھی لکھے تھے ، "مرتے دم تک علم و معرفت کے اس شہید نے قال اللہ اور قال الرسول کا نعرہ بلند رکھا۔" بحوالہ یادِ رفتگاں ؛ ص ۱۶۹ ۔ یہ بھی یاد دلانے کے قابل ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی عمر انگریزی تقویم کے لحاظ سے ۵۵ سال سے کچھ کم ہی تھی۔ مؤلف اللمحات نے بڑی جلدوں میں اگر علامہ انور شاہ صاحب کی تنقیص کی ہے۔ فقہ حنفی کی تائید کر کے علامہ انور شاہ صاحب نے کوئی "نئی بے مقصد" خدمت انجام نہیں دی ہے۔ یہ خدمت اپنے اپنے وقت میں تمام انصاف پسند محققین نے انجام دی ہے۔ اور جب تک "جزء رفع الیدین" "قرأۃ خلف الامام" وغیرہ جیسی کتابیں دنیا میں موجود رہیں گی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ کس میں ہمت ہے کہ الجامع الصحیح سے "وقال بعض الناس" قسم کی عبارت و مضمون کو غیر ضروری سمجھ کر اسے کتاب ہی سے خارج کرنے کا مشورہ دے۔

وہ فقہ میں اجتہاد کی ضرورت ضرور تسلیم کرتے ہیں مگر اسے فقہاء اسلام کی سی بصیرت و بصارت سے مشروط کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ خود ثانی العلم تھے مگر اس کے باوجود انہیں اعتراف تھا کہ وہ اس معیار پہ اترنے کے پورے پورے اہل نہیں ہیں۔ ایک مرتبہ جب مصر کے ایک بلند مرتبہ حنبلی المسلک عالم نے ان کے علم و فضل سے غیر معمولی متاثر ہو کر کسی علمی مجلس میں کہا کہ اگر میں یہ کہوں کہ یہ شخص (علامہ انورشاہ کشمیری) ابوحنیفہ سے زیادہ علم رکھتے ہیں تو میں حانث نہ ہوں گا۔ جب علامہ کشمیری کو اس کا علم ہوا تو سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا: ہمیں امام ابوحنیفہؒ کے مدارک اجتہاد تک قطعاً رسائی نہیں ہے[1] (حیات انور، ص ٣١٩)

علامہ انورشاہ صاحب کو اپنی حنفیت پر سخت اصرار تھا۔ وہ درس و تحریر میں فقہ حنفی کی حمایت و نصرت کی طرف پوری توجہ کرتے تھے۔ اسکی صحت و ارجحیت پہ دلائل و براہین قائم کرتے تھے[2] یہاں تک کہ خود ایک مرتبہ فرمایا: میں نے تیس سال تک حنفی مسلک کے جڑ گاڑ دیئے[3] اس زبردست حمایت و نصرت کے پیچھے جو تاریخ کارفرما ہے۔ اس کی روشنی میں حضرت مولانا انورشاہ صاحبؒ کا یہ موقف درست نظر آتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ اُس وقت کی ایک اہم علمی مسئولیت بھی نظر آتی ہے۔ جسے علامہ کشمیری نے کمالِ احتیاط و تدبر سے سرانجام دے کر امت کی طرف سے ایک فرضِ کفایہ ادا کیا۔

---

حضرت مولانا زکریا صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنی آپ بیتی میں فرماتے ہیں:

"میرے ذہن میں یہ ہے کہ شریعت تو صرف اللہ اور اس کے رسولِ پاک کا کلام ہے۔ لیکن اس پر عمل کرنے میں روایات کی جرح و تعدیل میں ائمہ مجتہدین و ائمہ اربعہ کا قول مجھ جیسے نابلد کی تحقیق پہ بہت مقدم ہے بلکہ ان حضرات کے ارشادات ائمہ حدیث سے بھی مقدم ہیں اس لئے یہ ائمہ حضرات، بخاری و مسلم کے اساتذہ یا استاذ الاساتذہ ہیں اور زمانۂ نبوت سے بہ نسبت ائمہ محدثین کے زیادہ قریب ہیں اس لئے روایات کے رد و قبول میں ان حضرات کا مرتبہ اور پایہ ہم لوگوں سے کیا بلکہ ائمہ محدثین سے بھی کہیں زیادہ اونچا ہے۔"

(آپ بیتی نمبر ٩، صفحہ ٦٩ - ٧٠)

[2] نزہۃ الخواطر ج ٨، مولانا محمد عبد الحی حسنیؒ و مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔
[3] نفحۃ العنبر: ص ٩٠، مجلس علمی ڈابھیل۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے زوال و ذلت کا ایک بڑا سبب ان کا مسلکی بغض و عناد رہا ہے اس تقلیدی تعصب نے مسلمانوں کے اتحاد و موالفت کو پارہ پارہ کرنے میں مکروہ رول ادا کیا ہے۔ کتنے علماء جاہلوں کے ہاتھوں رسوا ہوئے ہیں اور کتنا شاندار ورثہ مسلمانوں ہی کے ہاتھوں توہین و تحقیر کا نشانہ بنا ہے۔ مشہور مفسر و مورخ علامہ ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کو محض اس جرم کے پاداش میں، کہ انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کو فقہاء میں شامل نہیں کیا تھا، مسلمانوں کے ہاتھوں جس مصیبت اور بد تمیزی و آزمائش سے سابقہ پڑا تھا اسے ڈاکٹر احمد امین کے الفاظ میں سنئے:

فقد هوجم من المحدثين وخصوصاً من الحنابلة ونالته الشرور منهم وهو في درسه فلما احتجب في بيته رموه بالحجارة حتى صار امام بيته اكواما۔ وذهب الألف من الجند ليحموه۔ فلما مات لم يحتفل بجنازته۔ والله تعالى لا يعبأ بكل ذلك۔ فقد اكرمه الله بخير من هذه المظاهر جزاء جده وفضله[1]

اُن پر (علامہ طبریؒ) محدثوں خصوصاً حنبلیوں کی طرف سے حملہ کیا گیا اور درس کی حالت ہی میں انہیں حملہ آوروں کی طرف سے تکلیف پہنچی۔ جب وہ گھر میں چھپ گئے تو اُن پر پتھر پھینکے گئے۔ یہاں تک کہ اُن کے گھر کے سامنے پتھروں کے ڈھیر بن گئے۔ اس کے نتیجہ میں ہزاروں فوجی انہیں تحفظ دینے کے لئے گئے۔ پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو اُن کے جنازے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ بھی ان باتوں کی پرواکرنے والا نہیں ہوتا ہے اس نے علامہ ممدوح کو ان کے دشمنوں کی ایسی حرکتوں کے برعکس ان کی علمی محنت و فضیلت کے صلے میں بہترین مقام و مرتبہ عطا کیا۔

جہاں تک فقہ حنفی کا تعلق ہے اسکی تاریخ کا مطالعہ کرکے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیگر مذا فقہ کے مقابلے میں مخالفت اور معاندت کا نمایاں ہدف بنا رہا ہے۔ یہ سلسلہ بہت شروع سے آرہا ہے۔ خود امام ابوحنیفہؒ کو بھی اپنے زمانے میں اس عناد کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کا واضح ثبوت یہ کہ ان کے جلیل القدر معاصرین اور ممتاز ترین تلامذہ امام صاحب کے مخالفین کی پروپیگنڈا بازی کی تردید کرتے نظر آتے ہیں۔ ان میں حضرت عبداللہ بن مبارک (۱۱۸ھ تا ۱۸۱ھ) بھی شامل تھے جنہوں نے

---

[1] ظہر الاسلام ج ۲ ص ۴۰۔

صرف امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا تھا بلکہ ایک عرصہ تک ان سے فقہ کی تحصیل بھی کی تھی۔ ڈاکٹر عبدالمجید المحتسب لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وقد تفقّہ عبداللّٰہ بن مبارک بابی حنیفۃ النعمان بن الثابت امام اھل الرأی فی العراق ولاریب فی انّ ابن المبارک لازم اباحنیفۃ مدّۃً من الزمن واخذ عنہ الفقہ وھو فی الکوفہ قبل ان یرحل الی بغداد۔[1] | عبداللہ بن مبارک نے ابوحنیفہؒ سے جو عراق میں اہل الرائے کے پیشوا تھے فقہ حاصل کی اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ وہ بغداد جانے سے قبل عراق میں کافی مدّت تک امام صاحب کی خدمت میں بیٹھے اور ان سے فقہ کا علم حاصل کیا۔ |

...

کسی زمانے میں احناف کی کتابیں جلائی گئیں۔ یہاں تک کہ بعض اہل علم نے انہیں دریا برد کر دیا۔ اسپین ے ایک حکمران نے چند علماء کو اپنے دربار سے محض اس لئے نکلوایا کہ وہ مسلکاً حنفی تھے[2] متاخرین نے ں میں اور زیادہ غلو برتا۔ یہاں تک کہ غیر حنفی اہل علم بھی اس پر افسوس کئے بغیر نہیں رہے۔ بعض علماء نے لہار افسوس پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے امام ابوحنیفہؒ کی ذات اور ان کی خدمات پر معاندین کی ڈالی ئی گرد جھاڑ دی۔ علامہ جلال الدین سیوطی، ابن حجر ہیثمی وغیرہ نے امام صاحب کی توصیف و تحمید میں مستقل ابیں بھی لکھیں۔ اسی طرح حافظ سخاوی علامہ ابن عبدالبر، علامہ ابن خلدون وغیرہ نے بھی امام صاحب ر ان کے دبستانِ فقہ کی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی۔ معاندین اس حد تک پہنچ گئے کہ امام اعظم ر ان کے مقلدوں کو حدیث رسولؐ کا دشمن قرار دیا اور بہ بلند بانگ دعویٰ صرف اس لئے کیا گیا کہ امام حنیفہؒ بہت سے جلیل القدر صحابہؓ کے نقش قدم پر چل کر اسلامی قوانین کی تشکیل میں اور روح شریعت ک پہنچنے کے لئے فکر و بصر کو اپنا مقام دینے کے قائل تھے[3] اسی لئے فقہاءِ اسلام نے نیک نیتی

---

[1] عبداللہ بن المبارک المروزی: ص ۵۴۔ وزارۃ الاوقاف والشؤن، عمان ۱۹۷۲ء

[2] کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ، مقدمہ ص ۲۸۔

[3] حضرت فاروق اعظمؓ کے بارے میں ڈاکٹر احمد امین لکھتے ہیں:

"وکان یجتھد فی تعرّف المصلحۃ الّتی لاجلھا کانت الایۃ اوالحدیث ثم یسترشد بتلک المصلحۃ واحکامہ، وھو اقرب شیٔ الی مایعبر عنہ الاٰن بالاسترشاد بروح القانون لا بحرفیتہ" (فجرالاسلام: ص ۲۹۲)

سے احناف کو اہل الرائے کا خطاب دیا مگر جب بدقسمتی سے بعض حضرات نے طنز و استہزاء کے معنوں میں استعمال کیا خود علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:

| | |
|---|---|
| انّ بعض الشوافع یلقبون الحنفیۃ باھل الرائے ھجواً لھم۔ | بعض شوافع احناف کو بسبیل طنز اہل الرائے کہتے ہیں۔ |

اور تو اور امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں یہ افواہ اڑائی گئی کہ وہ حدیث کا کما حقہٗ علم نہیں رکھتے ہیں اور ان کا ترتیب دیا ہوا فقہی ذخیرہ اُن کے ذاتی آراء اور قیاسات کا انبار ہے۔ علامہ ابن خلدون اس کی پُرزور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اصل میں ائمہ مجتہدین کے ہاں احادیث کے رد و قبول کے شروط مختلف تھے جن کے ہاں یہ شروط سخت تھے اُن کے نزدیک صحیح احادیث کی تعداد کم ہوئی جیسے امام مالکؒ اور امام ابوحنیفہؒ اور جن ائمہ کرام کے نزدیک یہ شروط نرم تھے ان کے ہاں احادیث کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

| | |
|---|---|
| واعلم ایضاً ان الائمۃ المجتھدین تفاوتوا فی اکثار من ھذہ الصناعۃ والاقلال۔ | جاننا چاہیئے کہ آئمہ مجتہدین احادیث پر کھنے کے فن میں ایک دوسرے سے کثرت و قلت میں مختلف ہوئے۔ |
| فابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال عندہ بلغت روایتہ الی سبعۃ عشر حدیثاً او نحوھا ومالک رحمہ اللہ انما صحّ عندہ ما فی کتاب الموطا وغایتھا ثلاثمائۃ حدیث او نحوھا واحمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ فی مسندہ خمسون الف حدیث ولکلّ ما ادّاہ الیہ اجتھادہ فی ذلک [۱] | کہا جاتا ہے۔ ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں سترہ یا اس جیسی تعداد میں ہی احادیث پہنچے۔ اسی مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اتنے ہی صحیح ثابت ہوتے جو اُن کی تصنیف مؤطا میں موجود ہیں جس کی تعداد میں تین سو یا اس کے قریب پہنچ جاتی ہے [۲] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کی مسند میں احادیث کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ اس طرح ہر ایک مجتہد نے اپنے اجتہاد کی روشنی میں یہ تعداد مقرر کی ہے۔ |

---

[۱] مقدمہ ابن خلدون: ص ۳۸۸، مطبعۃ البھیۃ، مصر۔

[۲] ابتداً مؤطا میں دس ہزار حدیثیں تھیں مگر امام صاحب نے سب کو قلم زد کر دیا۔ اب ۱۷۲۵ باقی ہیں۔ جس میں مسند و مرفوع ۶۰۰، مرسل ۲۲۲، موقوف ۶۱۳ اور تابعین کے اقوال و فتاوی ۲۸۵ ہیں۔" مقدمہ اوجز المسالک ص ۲۸ بحوالہ محدثین عظام: مولانا تقی الدین ندوی: ص ۸۳

آگے علامہ ابن خلدون بعض معاندوں کی اس خام خیالی کی کہ کوئی امام ومجتہد بھی علم حدیث میں کم مایہ ہوتا ہے، تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

| | |
|---|---|
| وقد تقول بعض المبغضین المتعسّفین | بعض بے راہ رو حاسدوں کا یہ خیال ہے کہ |
| الی انّ منهم من کان قلیل البضاعة | ائمہ مجتہدین میں سے بھی کوئی علم حدیث |
| فی الحدیث فلهذا اقلّت روایته ولا | میں کم مایہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے |
| سبیل الی هذا المعتقد فی کبّار الائمة. | ہاں روایات کی تعداد کم ہوتی ہے۔ حالانکہ |

ائمہ عظام کے بارے میں ایسا باطل تصور قائم کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

مگر اس ساری مخالفت اور معاندت کے باوجود حنفی مسلک پھیلتا گیا بلکہ بعض اسلامی ملکوں میں صدیوں تک قانوناً رائج رہا۔ ہندوستان میں بھی حنفی مسلک بھی ایک طویل زمانے سے رائج العمل رہا۔ اکثر سلاطین وصوفیاء جن کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان اسلام شائع وذائع ہوا، اسی مسلک پر عامل تھے۔

---

بقیہ: ص ۹

خداتعالیٰ کا اپنا کام ہے لہٰذا ہم جب دین سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو ہم دین کی حفاظت نہیں بلکہ درحقیقت دین ہماری حفاظت کرتا ہے۔

**عمل کی راہ آسان ہونے کا ایک تصور" ملائکہ سرکاری گواہ ہیں**

۱۲ر فروری ۶۸۵ - ارشاد فرمایا

یہ صبح وشام جو ملائکہ کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں میں نے غور کیا تو ان ملائکہ کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہے۔ اس لئے ان کی اہمیت بھی زیادہ ہے۔ اور جن کو خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔

یہ دارالعلوم کے سامنے جو ریل گاڑی کی پٹڑی ہے عام طور مشاہدہ یہ ہے کہ پٹڑی پر کام کرنے والے ملازم ایک طرف بیٹھے گپیں ہانک رہے ہوتے ہیں لیکن جب دور سے گاڑی آتے دیکھ لیتے ہیں تو فوراً سنبھل جاتے ہیں اور کدال ہاتھ میں لے کر کام شروع کر دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ گاڑی میں ان کے سرکاری آفیسرز کے آنے کا احتمال ہوتا ہے۔ مزدور یہ تاثر دلانا چاہتے ہیں کہ ہمارے آفیسرز (سرکاری گواہ) ہماری رپورٹ درست لکھیں اور ہمیں واقعتہً کام میں مخلص سمجھیں۔ صبح کو آنے والے ملائکہ جب عصر کو جاتے ہیں تو وہ بھی اللہ کے نیک بندوں کو وضو کرتے دیکھ کر مصروف خدمت ہونے کی رپورٹ لکھتے ہیں اور آنے والے فرشتے نماز پڑھتے دیکھ کر مصروف عبادت ہونے کی رپورٹ لکھتے ہیں۔ سرکاری گواہ جانے والے کہتے ہیں کہ وضو کر رہا تھا آنے والے کہتے ہیں کہ نماز پڑھ رہا تھا۔ یہ بڑا اچھا تصور ہے اور اس سے عمل کی راہ آسانی ہوتی ہے۔

گل احمد ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

از جناب وحید الدین خان صاحب

# داعی کا پیغام

اور
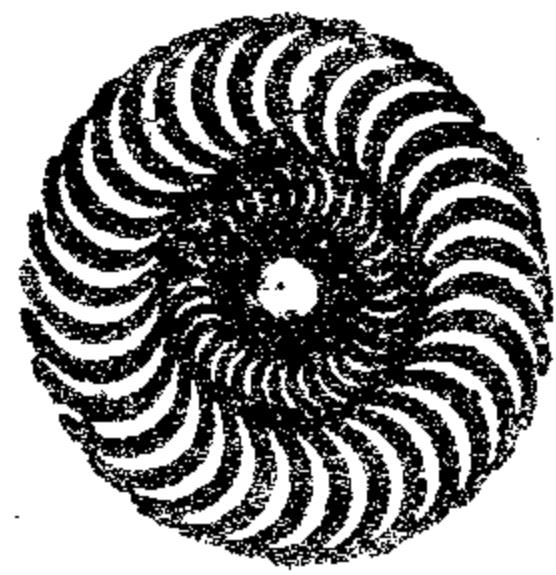
# اس کا کردار

"اے کپڑے کو لپیٹنے والے اٹھ اور لوگوں کو ڈرا۔ اور اب اپنے رب کی بڑائی کر۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ اور گندگی کو چھوڑ دے۔ اور ایسا نہ کر کہ احسان کرے اور بدلہ چاہے اور اپنے رب کے لئے صبر کر۔ بس جب صور پھونکا جائے گا وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہو گا۔ بالکل آسان نہیں ہو گا۔" (سورہ مدثر)

یہ سورہ مدثر کی ابتدائی آیتیں ہیں۔ مدثر ان سورتوں میں سے ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہونے کے بالکل ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی۔ بلکہ بعض روایات کے مطابق یہ قرآن کی سب سے پہلی سورت ہے۔ یہ وقت وہ تھا جب کہ ایک شخص کو عام انسان کے مقام سے اٹھا کر زمین میں خدا کا نمائندہ مقرر کیا گیا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدائشی طور پر ایک نہایت نیک نفس اور سلیم الفطرت آدمی تھے۔ آپ جب بڑے ہوئے تو اپنے آپ کو ایک ایسی سوسائٹی میں پایا جہاں ہر طرف شرک تھا۔ بداخلاقی تھی۔ انسان اپنی حقیقت کو بھلائے ہوئے تھا۔ اور فطرت کے صحیح راستے سے ہٹ گیا تھا۔

آپ کا ضمیر اس حالت میں مطمئن نہیں تھا مگر آپ کو شعوری طور پر یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کونسا طریقہ ہے جو درست ہے۔ جو کچھ ہو رہا تھا دل کہتا تھا یہ غلط ہے۔ مگر اس کے بجائے کیا ہونا چاہئے۔ اس کے متعلق آپ اس وقت تک کچھ نہیں جانتے تھے۔ ماحول کے خلاف اس بے اطمینانی نے آپ کے اندر علیحدگی پسندی کا رجحان پیدا کر دیا۔ آپ اپنے گھر کے اندر بیٹھے سوچتے رہتے۔ یا بستی سے دور پہاڑوں کی طرف چلے جاتے۔ اسی دوران میں ایسا بھی ہوا کہ آپ اوڑھ لپیٹ کر بستر پر پڑے رہے اور اس طرح تنہائی کی انتہائی کیفیت اپنے اوپر طاری کر لی۔ ایسا ہی ایک وقت تھا جب کہ وحی الٰہی نے آپ کو ان لفظوں میں مخاطب کیا۔

"اے کپڑے میں لپٹنے والے" اس ایک فقرے میں آپ کی اس وقت کی حالت کی پوری تصویر آگئی ہے گویا دوسرے لفظوں میں یہ فرمایا کہ اے وہ شخص جو زمانے سے بیزار ہے جس کو لوگوں کا طریقہ صحیح نظر نہیں آتا۔ جس کا دل مضطرب ہے کہ کیا ہونا چاہئے۔

اس طرح خطاب کرنے کے بعد فرمایا۔ "اٹھو اور لوگوں کو ڈراؤ" یعنی جس وقت حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے تم بے چین تھے اس سے ہم تم کو خبردار کر رہے ہیں اسے لے کر اٹھو اور لوگوں تک پہنچا دو۔ یہ حقیقت کیا ہے۔ اس کو بتایا کہ ایک ایسا دن آنے والا ہے جب صور پھونکا جائے گا۔ وہ دن کافروں پر بڑا سخت ہو گا اس دن ان کے لئے کسی طرح کی آسانی نہیں ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دنیا کوئی الل ٹپ نہیں ہے۔ بلکہ یہ خدا کی سلطنت ہے اور یہاں جو لوگ چل پھر رہے ہیں وہ دراصل اپنے امتحان کی مدت پوری کر رہے ہیں۔ انسان آزاد نہیں چھوڑ دیا گیا ہے۔ کہ وہ جو چاہے کرتا رہے۔ بلکہ اس کو خدا کی مرضی پر چلنا ہے جو اس کا اور ساری کائنات کا مالک ہے۔ جو آدمی خدا کی مرضی پر نہیں چلے گا اس کو آخرت کے دن سخت عذاب دیا جائے گا۔ اور اس کو ہر طرح کی سہولت سے محروم کر دیا جائے گا۔ یہ ایک عظیم خطرہ ہے جس سے ہر وہ دوچار ہے جو اپنے رب کی مرضی پر نہ چل رہا ہو۔ یہی وہ حقیقت ہے جس سے لوگوں کو ہوشیار کرنا ہے۔ یہی وہ آنے والا خطرہ ہے جس سے لوگوں کو ڈرانا ہے۔ ان فقروں میں زندگی کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ انسان کی موجودہ زندگی ایک امتحان ہے۔ اور اس امتحان کے مناسب حالات پیدا کرنے کے لئے زمان و آسمان کو ایک خاص طریقے پر بنایا گیا ہے۔ ہر وہ شخص جو یہاں پیدا ہوتا ہے وہ اپنا امتحان دینے کے لئے اس امتحان گاہ میں بھیجا گیا ہے۔ اور ہر وہ شخص مر گیا وہ اپنے امتحان کی پوری مدت کر کے اس دنیا سے واپس چلا گیا یہ سلسلہ یونہی جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ جب تمام پیدا ہونے والے اپنا امتحان دے چکے ہوں گے تو مالک کائنات کی طرف سے امتحان کی مدت ختم ہونے کی آخری گھنٹی بجا دی جائے گی۔ اس وقت یہ تمام زمین و آسمان پھٹ جائیں گے جو اسی لئے ایک خاص طریقے پر بنائے گئے ہیں۔ کہ انسانوں کے لئے امتحان کا ماحول تیار کریں آج جو حقیقتیں انسان کی نگاہ سے پوشیدہ ہیں اس وقت ظاہر کر دی جائیں گی۔ انسان یکایک دیکھے گا کہ اس کی آزادی ختم ہو گئی۔ اور وہ ایک بندۂ مجبور کی طرح اپنے مالک کے سامنے کھڑا ہے۔ اور ساری انسانیت اپنا حساب دینے کے لئے خدا کے آگے پیش ہو رہی ہے۔

صور ایک خدائی بگل ہے جس کا پھونکا جانا دوسرے لفظوں میں کائنات کے مالک کی طرف سے کائنات میں یہ اعلان کیا جانا ہے کہ اب اس کی عمر کا ایک دور ختم ہو گیا۔ یہ سارا انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ انسان کا امتحان لیا جا سکے۔ یہ کام ہو گیا اور اب امتحان کا نتیجہ سنایا جائے گا۔ یہی وہ آنے والی حقیقت ہے جس سے نبی انسانوں کو آگاہ کرتا ہے وہ بتاتا ہے کہ وقت کی اہمیت سمجھو اور اپنے پرچے ٹھیک سے حل کرو۔ تاکہ آخرت کے دن تم کو ناکامی کا فیصلہ نہ سننا پڑے۔ اور تم سختیوں سے بچ جاؤ۔

اس سے نبی کے کام کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے۔ نبی دراصل "انذار" کرنے والا ہے یعنی وہ زندگی کے انجام

سے لوگوں کو خبردار کرتا ہے وہ لوگوں کو ڈراتا ہے کہ اگر تم نے صحیح عمل نہ کیا تو آخرت میں ناکام و نامراد ہو گے۔ وہ بتاتا ہے کہ تمہاری زندگی کیا ہے اور اس کے مطابق تمہیں کیا کرنا چاہیے وہ زندگی کی اس حقیقت سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے۔ کہ جو شخص کفر کی روش اختیار کرے گا اس کو ایک نہایت سخت دن سے سابقہ پیش آئے گا جس سے بچ کر وہ نہیں جا سکتا۔

یہ مندرجہ بالا آیتوں میں پہلے اور آخری فقرے کی تشریح ہے ان دو فقروں کے درمیان نبی کو ذاتی طور پر مخاطب کر کے چند احکام دئے ہیں۔ یہ دراصل وہی باتیں ہیں جن کے متعلق آخرت کی عدالت میں فرداً فرداً ہر ایک شخص سے پوچھا جائے گا۔ اور ان ہی کے کرنے یا نہ کرنے پر اس کی کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہو گا۔ نبی کو ذاتی طور پر مخاطب کر کے ان احکام سے دراصل یہ بتانا تھا کہ داعی کو صرف سنانا نہیں ہے۔ بلکہ سب سے پہلے خود عمل کرنا ہے۔

پہلی بات فرمائی۔ اپنے رب کی تکبیر کرو۔ تکبیر کے معنی ہیں "بڑا بنانا" خدا کو بڑا بنانے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اپنی زندگی میں سب سے اونچا مقام دیا جائے۔ اس کے مختلف پہلو ہیں۔ مثلاً زبان سے اس کی بڑائی بیان کرنا۔ دل میں سب سے بڑھ کر اس کا خیال ہونا۔ زندگی کے معاملات میں کوئی رویہ اختیار کرتے وقت سب سے زیادہ اس کا لحاظ کرنا۔ اپنے مشکل اوقات کے لئے اس کو سب سے بڑا سہارا سمجھنا غرض ہر طرح کی بڑائی اسی کے لئے تسلیم کرنا خواہ اس کا تعلق دل سے ہو یا زبان سے۔ اس تکبیر کا ایک نمایاں پہلو نماز ہے جس میں بار بار اللہ اکبر (خدا سب سے بڑا ہے) کہا جاتا ہے کہ خدا کے بڑے ہونے کا اظہار اس طرح کیا جاتا ہے کہ اپنے آپ کو انتہائی عاجزانہ شکل میں اس کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ "اپنے کپڑوں کو پاک کر" اپنے کپڑے کو پاک کرنے کا مطلب نفس کو پاک کرنا ہے بیشتر مفسرین نے یہی معنی لئے ہیں جس طرح ہماری زبان پاک دامن ہے کی اصطلاح ہے جس کے لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کے کپڑے پاک صاف ہوں۔ مگر یہ ایک محاورہ ہے۔ جو "پاک دل" کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اسی طرح عربی زبان میں بھی محاورہ ہے عرب میں کوئی غداری کرتا اور عہد کو پورا نہ کرتا تو اسے کہتے (یہ گندے کپڑے والا ہے) اور جو شخص عہد کو پورا کرنے والا ہوتا اور اپنی ذمہ داری ٹھیک ٹھیک ادا کر دیتا تو اسے کہتے (یہ صاف کپڑے والا ہے) اسی طرح عام اخلاقی خوبی یا خرابی کو ظاہر کرنے کے لئے بھی یہ الفاظ بولے جاتے تھے۔ تفسیر کی کتابوں میں عرب جاہلیت کے بہت سے اشعار اس سلسلے میں نقل کئے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے عرب میں یہ الفاظ عام تھے۔

یہ محاورہ بہت با معنی ہے حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آدمی کا لباس اس کی ظاہری صفائی یا گندگی

کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی کا اخلاق اس کی اندرونی پاکیزگی یا خرابی کو بتاتا ہے۔ انسان کی زندگی میں
اخلاق کی وہی حیثیت ہے جو جسم کے لئے لباس کی ہے۔ لباس جسم کا نمائندہ ہے۔ اسی طرح آدمی کا اخلاق
اس کی انسانیت کی ترجمانی کرتا ہے۔ اپنے کپڑے کو پاک کرو سے مراد یہ ہے کہ اپنے اخلاق کو اچھا بناؤ
اپنے نفس کو برے افعال سے بچاؤ۔ غلط کاموں میں اپنے آپ کو آلودہ نہ کرو۔ کوئی شخص صاف کپڑے پہننے
کی مہم چلائے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صاف کپڑے پہن کر نکلے۔

اسی طرح آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس منصب پر مامور کیا گیا کہ وہ لوگوں کو اخلاق حسنہ کی
تعلیم دیں تو سب سے پہلے خود انہیں یہ حکم دیا گیا کہ وہ اخلاق حسنہ کو اپنا لباس بنائیں اور خود اسی رنگ میں
رنگے جائیں۔ ایک شخص جب اپنے پیغام پر خود عمل کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے پیغام کے حق میں اپنے یقین کا
اظہار کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی بات میں لوگوں کے لئے کشش پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ اس کی
بات کو سنجیدگی سے سنتے ہیں اچھے اخلاق کسی تحریک کے داعی کے لئے ہتھیار کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے
ہر جنگ جیتی جا سکتی ہے۔ اور ہر دل کو فتح کیا جا سکتا ہے۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ گندگی کو چھوڑ دو۔ گندگی سے مراد وہ خیال یا عمل ہے جو اللہ تعالی کو ناپسند
ہو اس کائنات میں ہر وہ چیز جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو جو آدمی کو اس کے رب سے دور کرے وہ گندا
اور سب سے بڑی گندگی شرک ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ بتوں کی پرستش گندگی ہے۔ اس سے

بچو۔ (حج ۳۰)

شرک گندگی اس لیے ہے کہ وہ آدمی کی صحیح فطرت کو خراب کرتا ہے۔ وہ کائنات میں ایک ایسی چیز کا
دعویٰ کرتا ہے جو کائنات کے اندر کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ وہ خدا کی خدائی میں کمی کرتا ہے۔ وہ کچھ ہستیوں کو خدا
کے برابر ٹھہراتا ہے۔ حالاں کہ خدا کے برابر کوئی نہیں۔ وہ کسی کو یہ درجہ دیتا ہے کہ وہ خدا سے اپنی بات منوا سکتا
ہے۔ حالاں کہ خدا کے مقابلے میں کسی کو بھی یہ مقام حاصل نہیں ہے یہ کائنات کے اندر سب سے بڑی برائی
ہے۔ جس کے لئے گندگی کا لفظ بولنا اس کے خلاف انتہائی نفرت کا اظہار کرتا ہے جب بھی کوئی شخص خدا
سے اپنا تعلق توڑتا ہے یا اس کے سوا کسی اور کے اعتماد پر زندگی کی تعمیر کرتا ہے تو وہ دراصل اپنی
فطرت کو گندگی سے آلودہ کرتا ہے۔ جس سے زیادہ بری چیز اس کائنات کے اندر اور کوئی نہیں۔

چوتھا حکم یہ ہے کہ کسی پر احسان کر کے اس سے بدلہ نہ چاہو۔ یہ دراصل بندگانِ خدا کو صحیح طریقہ پر دینے
کا حکم ہے۔ جو غلط طریقہ پر دینے سے منع کرتے ہوئے دیا گیا ہے۔ کہا یہ گیا کہ "بدلہ چاہنے کے لئے نہ دو"
کہنا یہ ہے کہ "دو مگر بدلہ نہ چاہو" گویا مطلب یہ ہوا کہ لوگوں کو خوب دو۔ مگر اس طرح نہ دو کہ لوگوں کی

طرف سے اس کا جواب چاہو۔ بلکہ صرف رضائے الٰہی کے لئے دو۔

بندوں کو دینے کے سلسلے میں خدا کا جو حکم ہے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی کے اوپر دوسرے کا جو حق ہے اس کو پورا پورا ادا کرے۔ اور دوسرے یہ کہ کوئی شخص اگر کسی کو امداد کا مستحق نظر آئے مگر وہ اس کے اوپر کوئی اقانونی حق نہ رکھتا ہو پھر بھی اپنی طرف سے اس کی مدد کرے۔ یہاں صرف دوسری شکل کے متعلق حکم دیا گیا ہے۔ مگر اس سے پہلی شکل کی اہمیت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جب ایسی حالت میں دینے کا حکم دیا گیا ہے جب کہ دینے والے پر پانے والے کا کوئی حق عائد نہ ہوتا ہو اور اس طرح دینا کہ اس سے نہ کسی بدلے کی خواہش کرے اور نہ اس پر اپنا احسان جتائے۔ تو ایسی حالت میں جب کہ آدمی کے پاس کسی کا حق ہوتا ہو، اس وقت تو بدرجہ اولیٰ اس کا حق واپس کرنا پڑے گا۔ جب حق کے بغیر دینے کا حکم ہے تو حق دار کو اس کا حق ادا کرنا تو اور زیادہ ضروری ہو گا۔ کسی کو بلا حق دے تے اس سے بدلہ نہ چاہنا ایک ایسی اعلیٰ صفت ہے جس کا کسی کے اندر موجود ہونا اس بات کا نشان ہے کہ دوسری تمام اخلاقیات بھی ضرور اس کے اندر موجود ہوں گی۔

پانچواں اور آخری حکم ہے کہ

"اپنے رب کے لئے صبر کرو" یہ سارے حکم کی جان ہے جو احکام اوپر دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک ایک حکم پر عمل کرنے کے لئے سخت جانفشانی کی ضرورت ہے۔ اور اپنے نفس پر جبر کرنا ہے۔ باہر کا ماحول اس کے لئے سازگار نہیں ہے۔ اور اندر کا نفس بھی اس کو ناپسند کرتا ہے اس لئے ان احکام کو اختیار کرنے کے لئے مسلسل صبر کی ضرورت ہے۔

اس لئے آخر میں فرمایا کہ "اپنے رب کے لئے صبر کرو" یعنی ان حکموں پر عمل کرنے میں اگرچہ تم کو بڑی مشقت اور تکلیف اٹھانی پڑے گی مگر خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کو برداشت کرو۔ سختیوں اور مسلسل رکاوٹوں کے باوجود حق پر جمے رہنا ہی صبر ہے۔ اور صبر ہی وہ چیز ہے جو ایمان کو ترقی دیتی ہے اور آدمی کو گھستے گھستے اتنا چمکدار بنا دیتی ہے کہ وہ تجلیات الٰہی کا عکس قبول کرنے کے قابل ہو جائے۔

یہاں صبر سے مفسرین نے مختلف معنی مراد لئے ہیں۔ مثلاً مشرکین کی دی ہوئی تکلیفوں پر صبر کرنا یا فرائض کی ادائیگی میں جو سختیاں پیش آئیں ان پر صبر کرنا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ دشمنانِ حق سے جنگ کے موقعہ پر صبر کرنا۔ مگر یہ کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ خدا کی مرضی پر چلنا اور خدا کے دین کو لوگوں کے سامنے پیش کرنا اول روز سے ہے۔ اور ہر مرحلے میں صبر کا طالب ہے۔ اس کے لئے نفس کی پسندیدہ راہوں کو چھوڑ کر ایک دوسری راہ کو اختیار کرنا ہے۔ اس کے لئے قدم قدم پر مفاد کی قربانی

دینی ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ خدا کے جن احکام پر عمل کرنے کے لئے دوسروں سے کہا جاتا ہے خود اس پر اس وقت عمل کیا جائے جب کہ عام طور پر حالات اس کے لئے انتہائی ناسازگار ہوتے ہیں۔ اس کے لئے موافقین کی طبیعتوں کے اختلاف کو برداشت کرنا ہے۔ اس کے لئے مخالفین کی ڈالی ہوئی رکاوٹوں پر صبر کرنا ہے اور بالآخر اس کے لئے آخری مقابلے کے سخت ترین مراحل برداشت کرنا ہیں۔ قرآنی آیتوں کی نظر میں جو اختلافات پائے جاتے ہیں وہ عموماً اسی نوعیت کے ہیں۔ خدا کا کلام ایک ہمہ گیر کلام ہے جو مختلف پہلوؤں پر حاوی ہوتا ہے۔ مفسرین کا اختلاف عموماً کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ کسی آیت کے انہی مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ جن کو وہ آیت سمیٹے ہوئے ہے۔

**خلاصہ** ان آیات سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام کے داعی کی اصل حیثیت یہ ہے کہ وہ آخرت کے آنے والے دن سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے۔ یہ بڑا ہی سخت دن ہوگا۔ اس دن تمام اگلے پچھلے پیدا ہونے والے مالکِ کائنات کی عدالت میں حاضر ہوں گے اور ہر ایک کے عمل کے لحاظ سے اس کے مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

دوسری چیز وہ پانچ احکام ہیں جو نبی کو اس وقت دئے گئے تھے جب اس کو خدا کی طرف سے لوگوں کو ہوشیار کرنے کے منصب پر مامور کیا گیا تھا۔ ان احکام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک داعی کو کس قسم کا ہونا چاہیئے۔ جو شخص انسانوں کے درمیان حق کا علمبردار بن کر کھڑا ہو اس کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خدا کو اپنا بڑا بنائے۔ اور اس کے آگے بالکل اپنے آپ کو جھکا دے۔ پھر اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھے اخلاق کا لباس پہنے۔ اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ شرک کی گندگی سے اپنے آپ کو بچائے خواہ وہ کسی شکل میں بھی ہو۔ پھر بندگانِ خدا پر رحم کرنے والا ہو۔ اور ان کے حقوق ادا کرنے والا ہو۔

آخری اور ضروری چیز یہ ہے کہ اس کے اندر اتنی ہمت ہو کہ اپنے کیریکٹر تعمیر کرنے اور اپنے منصب کی ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے جو دشواری بھی اس کی راہ میں پیش آئے اس کو وہ برداشت کرے جس کی سختی بڑے سے بڑے آدمی کے لئے بھی ناقابل برداشت ہوگی۔

یہ پانچ خصوصیات اپنے اندر پیدا کئے بغیر کوئی شخص دعوتِ حق کا کام نہیں کرسکتا۔

مولانا عبدالقیوم حقانی فاضل و مدرس دارالعلوم حقانیہ

# علامہ سمعانی سے ایک ملاقات

## روغن ساز اور روغن فروش علماء کا تذکرہ

تین ماہ سے زائد عرصہ ہونے کو ہے کہ ہزار چاہت اور اشتیاق کے باوجود بھی "کتاب الانساب" کے مصنف علامہ عبدالکریم سمعانی (متوفی ۵۶۲ھ) سے شرف زیارت ملاقات اور گفتگو و استفادہ کا دوبارہ موقع نہ مل سکا۔

آج (۲۲ اپریل ۸۵ء) پھر شوق ملاقات اور ذوق استفادہ و تحصیل علم نے علامہ سمعانی سے کتابی ملاقات کا موقعہ بہم پہنچایا۔

آخر ان کی مجلس فیض و برکت (بصورت مطالعہ کتاب الانساب) تک دل نے پہنچا دیا۔ اور اپنی قسمت پہ نازاں ہوں کہ ہجوم مشاغل اور کثرت کار کے باوجود بھی اللہ پاک نے اس مبارک اور پر سعادت مجلس تک رسائی میرے لیے آسان کر دی۔

بہرحال ان کی محفل فیض و برکت یا مجلس انس و افادہ میں حاضر ہوا۔ اجنبی ہونے کے باوجود بڑھ کر قریب ہوا تو دیکھا کہ علامہ سمعانیؒ مفسرین، محدثین، ائمہ فن، علماء اور فضلاء، قضاۃ اور فقہاء کے جھرمٹ میں بیٹھے ہیں، سامعین اور ناظرین سے ان کا تعارف کرا رہے ہیں۔ کتاب الانساب کا صفحہ ۲۳۴ کھلا ہوا ہے۔ گفتگو کا عنوان موضوع کی تشریح "الدھان" ہے۔

عربی زبان میں تیل اور روغن تیار کرنے والے یا تیل اور روغن کی تجارت کرنے والے کو دھان کہتے ہیں۔ علامہ سمعانی نے روغن ساز اور روغن فروش علماء و فضلاء، اور مفسرین و محدثین کی جس انداز سے یہاں فہرست مرتب کی ہے یوں لگتا ہے جیسا کہ روغن سازوں اور روغن فروشوں کی اس فہرست میں انہوں نے ملت کے دل و دماغ کو کھینچ کر سامنے رکھ دیا۔ ان کی قلمی اور علمی تصویریں دیکھیں تو ایک سے ایک قابل اور فاضل نظر آیا۔ ان کے قلم سے ذہانت ٹپکتی اور چہروں سے ذکاوت برستی تھی۔ پوری فہرست پڑھ ڈالی۔

علامہ سمعانیؒ نے علمی برادری کے چنے ہوئے جن روغن ساز فضلاء، روغن فروش مشاہیر، اہم علمی شخصیتوں اہم سکالروں کی علمی اور تاریخی مجلس اور بڑے معرکہ کی ایک مبارک تقریب کا انعقاد کیا۔ مجھے بھی جب کتاب الانساب

کے ذریعہ سے انہیں قریب سے دیکھنے، گفتگو سننے، بعض حضرات سے ملنے اور بات چیت کرنے کی سعادت میسّر آئی تو ان کی علمی دھاک اور روحانی عظمت کا سکّہ دل پر بیٹھ گیا۔

اس مبارک علمی اور تاریخی تقریب میں بظاہر نہ جوشِ خطابت تھا اور نہ الفاظ کی طلسم بندی نہ منطقی دلائل تھے اور نہ وہ خطابت کا حربہ چلانا جانتے تھے۔ بس اخلاص اور صداقت کی تصویریں تھیں۔ جو امت کے سامنے انہوں پیش کردیں۔ علامہ سمعانیؒ کی متین، مدلل اور سلجھی ہوئی گفتگو اس پہ مستزاد، آج ان کی محفل سعادت میں قلب کو خوب اطمینان اور سکون حاصل رہا۔ اجنبیت کافور ہوئی پہلی ہی ملاقات میں ایسے گھل مل گئے جیسے برسوں کی پرانی شناسائی ہو۔

علامہ سمعانی کی بیان فرمودہ طویل فہرست سے جن پیشہ ور اور مزدور کار علماء وفضلا سے قارئین کو متعارف کرانے کا گذشتہ نشست میں وعدہ کیا تھا اس سلسلہ میں آج کی نشست میں چند روغن ساز محدثین اور روغن فروش علماء وفضلاء کے مختصر تعارفی مقالہ کی پہلی قسط پیش خدمت ہے۔

مگر یاد رہے کہ ان حضرات کے ہاں روغن سازی اور روغن فروشی کی بڑی بڑی دکانیں، منڈیاں اور تجارتی مرکز تھے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کو علمی مشغلہ کا ایسا ولولہ تھا کہ کاروبار کی وسعتیں، علمی جمعیتوں کی ہماہمی میں کبھی بھی کسی نقصان کا باعث نہ بن سکیں۔

علامہ صالح بن درہم عظیم محدث اور اپنے فن کے امام تھے۔ ابوالازہر کنیت، اور دھان (روغن ساز یا روغن فروش) کے لقب سے مشہور تھے۔ اہل بصرہ سے تھے، علم حدیث، محدثین عراق سے حاصل کیا تھا۔ ان کے حلقۂ درس کی وسعت اور تلامذہ کے سلسلہ کے پھیلاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت امام شعبہ بن حجاج جیسے عظیم محدث اور جلیل القدر امام ان سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معاشی بالخصوص تیل کے کاروبار روغن فروشی اور روغن سازی اور کولھو چکر کے ساتھ ساتھ درس و تدریس، افادہ واستفادہ اور تعلیم وتعلم کا دور بھی برابر جاری رہتا تھا۔

ہم جب تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ حسنِ اتفاق سے صرف ایک دو نہیں، تقریباً ہر معتد بہ آبادی والے اسلامی شہر اور قصبات بلکہ دیہاتوں تک میں علماء اور محدثین کا مفت پڑھانے والوں کا ایک بڑا طبقہ موجود رہا جنہوں نے مختلف معاشی کاروبار کے ساتھ ساتھ درس وتدریس تصنیف و تالیف اور اشاعت علم کے مشغلہ کو بھی مفت جاری رکھا۔ تجارت کرتے، زراعت کرتے، محنت مزدوری کرتے روغن سازی اور روغن فروشی کرتے۔ لیکن سب کچھ کرنے کے ساتھ ساتھ روزانہ بالالتزام پڑھنے پڑھانے کا کام بھی آخر دم تک انجام دیتے رہتے۔

علامہ سمعانی نے اس فہرست میں محمد بن حمزہ بن احمد بن حرب کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جن کی کنیت ابوعلی اور لقب دھان (روغن ساز یا روغن فروش) ہے۔ خطیب بغدادی نے بھی ان کا تفصیلی حال تاریخ بغداد میں تحریر کیا ہے۔

ابوعلی دھان، امام وقت، عظیم محدث اور فیض کثیر کے مالک تھے۔ اپنے معاشی کاروبار روغن سازی اور روغن فروشی کے ساتھ ساتھ تمام عمر علوم نبوت اور تعلیمات رسولؐ کی اشاعت کرتے رہے۔ ان کی معاشی تنگ دامنی اور ضروریات کی کفالت کے سلسلہ میں سعی، علم دین کی تدریس و تبلیغ کے لئے کسی قسم کی رکاوٹ نہ بن سکی۔ آپ نے مشہور اساتذہ حدیث ابوبکر علی کوفی۔ اور علی بن عبدالرحمٰن کوفی سے علم حدیث کی تحصیل کی اور جب پڑھاتے تو ان ہی حضرات سے حدیث کی روایت کرتے۔

خطیب بغدادی اور ان کے بعض ہم عصر اکابر اساتذہ نے آپ سے علم حدیث کے تلمذ کا شرف حاصل کیا اور خطیب بغدادی نے آپ سے روایت بھی کی ہے۔ موصوف کا بظاہر اپنا معاشی پیشہ دھانیت یعنی روغن سازی اور روغن فروشی تھا۔ مگر اپنے پاس وہ جس قسم کا علمی کمال رکھتے تھے بغیر کسی لالچ اور معاوضے کے اس علم کو دوسروں تک پہنچانے کو گویا اپنا انسانی اور اخلاقی بلکہ دینی اور مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے۔

علامہ سمعانی نے اس فہرست میں جناب ابواحمد محمد بن عبداللہ بن احمد بن قاسم بن جامع دھان کا تذکرہ بھی کیا ہے جو بغداد کے رہنے والے تھے۔ روغن سازی اور روغن فروشی کی وجہ سے دھان کے لقب سے زیادہ مشہور تھے۔ حد درجہ متقی پرہیزگار، صالح ثقہ اور معتمد محدث تھے۔ علم حدیث سے خصوصی شغف اور اس کی تدریس و اشاعت کے بے حد شیدائی اور حریص تھے آپ کے مشہور اساتذہ حدیث میں ابورجاء محمد بن حمدویہ احمد بن علی حسین بن اسماعیل۔ محمد بن مخلد اور حسین بن یحییٰ کے نام سر فہرست ہیں۔

ابوبکر برقانی۔ ابوالقاسم الازہری حسن بن محمد بن عمر نرسی۔ محمد بن علی کو آپ ہی سے استفادہ تحصیل علم اور شرف تلمذ کی بدولت جاہ و منزلت اور علمی شہرت کا عظیم مقام حاصل ہوا۔ اور واقعہ بھی یہ ہے جیسا کہ علامہ سمعانی رحؒ کی "کتاب الانساب" اور تاریخ کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء محدثین خواہ کسی بھی عہدہ اور پیشہ سے تعلق رکھتے ہوں کوئی قاضی ہو مفتی ہو یا روغن ساز اور صابون ساز ہو تاجر ہو یا مزدور تدریس اور معلمی کا کام نہ کرتا ہو قریب قریب اس زمانہ میں یہ بات ناقابل فہم تھی۔

یہ ایک رواج تھا جو قرن ہا قرن سے مسلمانوں میں جاری تھا اور یہ رواج اس وقت تک باقی رہا جب تک کہ عدالتوں اور سرکاری محکموں پر بی اے اور ایم اے اور ایل ایل بی اور سول سروس کی ڈگریوں کی بجائے قرآن حدیث اور علوم نبوت کے سند یافتوں کا قبضہ تھا۔ مگر اب تو بدقسمتی سے علمی ذوق، مطالعہ کتب اور تحصیل علم کے شوق میں بحیثیت زوال آ گیا ہے غور و فکر تو کجا ذوق مطالعہ بھی عنقا ہوتا جا رہا ہے بلکہ اتنی استعداد بھی باقی نہیں رہی کہ دوسروں ہی کے خیالات کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ اور آج معاشی کاروبار کے ساتھ علمی اور تدریسی مشغلہ اور مطالعہ کتب تو کجا کتابوں کی گرد جھاڑنے کی اہلیت اور فرصت بھی بجز چند خوش نصیبوں کے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ
حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ
اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ وَاعْتَصِمُوْا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

O ye who believe! Fear God as
He should be feared, and die not
except in a state of Islam. And
hold fast, all together, by the
Rope which God stretches out
for you, and be not divided
among yourselves.

***PREMIER TOBACCO INDUSTRIES LIMITED***

ڈاکٹر حافظ عبدالغفور صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ دینیات اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی

# حضرت اخوند درویزہؒ کے حالاتِ زندگی

نوٹ:۔ راقم الحروف نے "حضرت اخوند درویزہ کے حیات و آثار اور ان کا فلسفۂ تصوف" کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لی ہے۔ الحق کے قارئین کے لئے موصوف کی زندگی پر ایک مختصر مضمون پیشِ خدمت ہے۔ تنقید نگار حضرات یا وہ حضرات جن کے پاس ان کا مواد خاص ہو۔ براہِ راست راقم الحروف سے رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

**نام و نسب** آپ اخوند[۱] کے لقب سے مشہور ہوئے۔ آپ کا اصلی نام درویزہ[۲] ہے۔

---

۱۔ یہ ایک لقب ہے جو وسطی ایشیا اور ایران میں خواجہ آفندی کی جگہ علماء کے لئے استعمال ہوا ہے۔ بعض اوقات ایک خاص دینی منصب کے لئے بھی مستعمل ہوتا تھا۔ یہ لفظ آفندی ( ی ) کی بجائے استعمال ہوتا ہے۔ مغربی ترکستان میں یہ دینی پیشوا اور بلند مرتبہ علماء کے علاوہ محلے کے اماموں کے لئے بھی مستعمل ہوتا تھا۔ اور اماموں و مفتیوں کے درمیان واسطے کا کام بھی دیتا تھا۔ بدصو کے اطراف اور خصوصاً دریا کے حوضے میں مغلوں کے زمانے میں بھی جو عیسائی ترک آباد تھے۔ ان کے پادریوں کو ارتون یا ارخون کہا جاتا تھا بالکل ممکن ہے کہ اس لفظ نے آگے چل کر اخون کی شکل اختیار کر لی ہو۔
(ماخوذ دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۲۰۹)

۲۔ اخوند اس زمانے میں پی۔ ایچ۔ ڈی ڈاکٹر کو کہتے تھے اور عربی میں علامہ کو بھی کہا جاتا تھا۔
ماخوذ تاریخ ریاست سوات صـ ۴۲۔ از محمد آصف خاں)

۳۔ "اخون" اخوند کا مرخم ہے۔ یہ تورانی لفظ ہے جس کے معنی متبحر عالم کے ہیں۔ اس کے معنی علامہ کے بھی ہو سکتے ہیں۔ ترخیم اس وقت ہوتی ہے جب کہ آخری حرف زبان پر ثقیل ہو۔ چونکہ یہاں بھی دال جو کہ آخری حرف ہے زبان پر ثقیل تھا لہٰذا بولنے میں "اخون" اور لکھنے میں "اخوند" آئے گا (ماخوذ تذکرہ مشائخ سرحد صـ ۲۵۔ از سید امیر شاہ قادری)
(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

آپ نسبًا تاجک[1] اور .....

---

**بقیہ حاشیہ** - ۲ - (i) مصنف تاریخ ریاست سوات نے آپ کا اصلی نام عبدالرشید بتایا ہے۔
(ماخوذ تاریخ ریاست سوات ص ۵۷ - ۵۸)

(ii) روحانی رابطہ میں آپ کا نام عبداللہ المعروف الھداد ذکر ہوا ہے۔
ماخوذ روحانی رابطہ ص ۵۱۱ - از عبدالحلیم اثر)

یہی رائے نصر اللہ خان نصر کی بھی ہے۔ (اخوند درویزہ ص ۱۱ - ۲ - از نصر اللہ نصر)
مگر اس رائے سے اتفاق نہیں، کیونکہ یہ نام حضرت اخوند درویزہ کے ایک بیٹے کا ہے۔

(iii) اللہ بخش یوسفی کا خیال ہے کہ یہ دونوں القاب ہیں۔ اول الذکر علامہ کے مترادف ہے اور موخر الذکر اس وجہ سے مشہور ہوا کہ علماء کو محلے یا گاؤں کے گھروں سے آواز دے کر وظیفہ (سامانِ خوراک) دینے کی رسم انہوں ہی نے جاری کی تھی۔ اور اس وقت پشاور۔ مردان۔ سوات اور دیگر بعض علاقوں کی مساجد کے طلباء ،، وظیفہ لاؤ ایماندارو،، کی جو آواز دیتے ہیں وہ انہی اخوند درویزہ کی ایجاد ہے۔
(ماخوذ یوسف زئی پٹھان ص ۲۷۸ - از اللہ بخش یوسفی)
(تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۲۲۳ - از اعجاز الحق قدوسی)

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار ان کا نام عبدالکریم بتاتا ہے حالاں کہ یہی نام اخوند درویزہ کے بڑے صاحبزادہ کا ہے۔

میاں تقویم الحق کاکاخیل نے دیباچہ مخزنِ اسلام میں اخوند درویزہ" کا اصلی نام " درویزہ ،، باپ کے نام گدائی کی مناسبت سے لکھا ہے۔ اور پختونوں میں اب بھی ملنگ، کچکول، فقیر اور قلندر وغیرہ کے نام عام ہیں۔ ان کی دوسری رائے یہ ہے کہ خود اخوند درویزہ نے اپنا نام ہر جگہ درویزہ لکھا ہے (دیباچہ مخزنِ اسلام)
راقم الحروف بھی میاں تقویم الحق کاکاخیل کی رائے سے اتفاق کرتا ہے، کیونکہ حضرت اخوند درویزہ نے خود اپنے آپ کو اس نام سے لکھا ہے جو سب سے بڑی دلیل ہے۔

[1] مشہور انگریز مورخ سر اولف کیرو نے آپ کا خاندان تاجک نسل سے منسلک کیا ہے۔
(پٹھان از اولف کیرو ص ۲۷۹ - ۲۸۰ - اردو ترجمہ سید محبوب علی۔ مطبوعہ خیبر میل پریس پشاور صدر)
دوسرا قول حضرت اخوند درویزہ کا اپنا ہے۔ فرماتے ہیں کہ قرابت پدر ما بسلاطین بلخ می گردد۔ ہمارے قدما کے نزدیک ہمارا پدری نسب نامہ ترکی نسل پر منتہی ہوتا ہے (تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۰۵ - از اخوند درویزہ)
(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مسکناً پشاوری تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ کا خاندان سلاطین بلخ سے ملحق ہوتے ہوئے سلطان سکندر ذوالقرنین تک جا پہنچتا ہے[۲]

جائے پیدائش و سن ولادت | آپ کی مقام پیدائش صحیح طور پر معلوم نہیں۔ مگر سید تقویم الحق کاکاخیل نے آپ کی جائے پیدائش علاقہ بونیر کے قبیلہ چغرزئی میں اسماعیل خیل کے دیہات میں بیان کی ہے[۳]

چونکہ آپ کے دادا محترم شیخ سعدی کو علاقہ ملبیزئی میں مندرنڑ قبیلے کے ساتھ حصہ ملا ہے۔ لہذا آپ کے خاندان کی مکمل سکونت وہاں پر ہوئی جس کی وجہ سے آپ کی پیدائش یہاں پر ہوئی[۴]

عبدالحلیم اثر نے آپ کی جائے پیدائش ضلع پشاور کے مندبیزو نامی گاؤں میں بتائی ہے[۵] مگر بعد میں انہوں نے بھی اپنے اس قول سے رجوع کرتے ہوئے اول الذکر رائے کو ترجیح دی ہے جو مطالعوں سے صحیح ثابت ہوتی ہے۔

اسی طرح آپ کی سن ولادت میں بھی اختلاف ہے۔

روحانی رابطہ کے مؤلف نے آپ کی سن ولادت ۹۴۰ھ / ۱۵۱۱ء لکھی ہے[۶]

سید امیر شاہ قادری نے ۹۵۶ھ / ۱۵۲۷ء بیان کی ہے[۷]

---

**بقیہ حاشیہ گذشتہ صفحہ۔** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اخوند درویزہ نے اپنے اسلاف کے اقوال کی روشنی میں تاجک قوم کو ترکی النسل ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ اور اسی روایت کی بنیاد پر متاخرین تذکرہ نگار نے بھی حضرت اخوند درویزہ کا نسب تاجک بیان کیا ہے۔ (مقدمہ مخزن و تذکرہ صوفیائے سرحد ص ۲۲۹)
مشہور افغان تاریخ دان عبدالحلیم اثر نے بھی حضرت اخوند درویزہ کا خاندان تاجک نسل بیان کیا ہے (تاجک کی تاریخ کے لئے ملاحظہ ہو پشتو رسالہ ماہ جنوری ۱۹۸۲ء ص ۲۴۔ از ڈاکٹر محمد حنیف پشتو اکیڈیمی پشاور یونیورسٹی)

[۱] چونکہ آپ کی زندگی کا زیادہ حصہ پشاور میں گذرا ہے۔ آپ کا مدفن اور مزار بھی پشاور میں ہے، لہذا آپ کو ننگرہاری ثم پشاوری کہا گیا ہے۔ آپ کے نام کے ساتھ اکثر جگہوں میں پشاوری کہا گیا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد افغانستان کے ضلع ننگرہار سے تشریف لائے تھے۔ اس لئے آپ اپنے آپ کو ننگرہاری بھی کہتے ہیں۔ (ماخذ تذکرہ علماء ہند ص ۵۹۔ از سید رحمان علی و خزینۃ الاصفیاء از مفتی غلام سرور)

[۲] تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۱۳ - ۱۱۴ [۳] مقدمہ مخزن ص ۴ - ۵

[۴] مقالہ اخوند درویزہ ص ۳۰۲ از نصر اللہ خان نصر [۵] روحانی رابطہ ص ۵۱۲ [۶] ایضاً ۵۱۱ [۷] تذکرہ مشائخ سرحد ۲۵

عبدالروف بینوا نے بھی آپ کی سن ولادت ۹۴۰ھ/ ۱۵۱۱ء بیان کی ہے[1]
یہی قول قوی تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اکثریت کی رائے میں یہی تاریخ مذکور ہے۔
آپ کا شجرۂ نسب خلیفہ سوئم، داماد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، ذوالنورین ذوالہجرتین حضرت عثمان بن عفان تک جا پہنچتا ہے[2]

آباؤ اجداد | آپ کے والد بزرگوار کا نام گدائی تھا۔ آپ کے اسلاف پندرھویں صدی عیسوی کے آخر تک ننگرہار (افغانستان) میں آباد تھے۔ مگر جب ۸۹۰ھ/ ۱۴۸۵ء میں یوسف زئی قبیلے نے افغانستان کے مغل فرماں روا مرزا الغ بیگ[3] (متوفی ۹۰۷ھ/ ۱۵۰۱ء) کے ساتھ کشمکش کی بنا پر وادی پشاور کی جانب کوچ کیا تو حضرت اخوند درویزہ کے اسلاف بھی اس قافلے کے ہمراہ آئے[4]

---

۱؎ د افغانستان نومیالی ص ۱۲۔ از عبدالروف بینوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی افغان محقق عبدالحلیم اثر سے ماخذ کیا ہے ۲؎ میاشینوہ پشتو رسالہ ص ۲۲ ماہ مئی از رحیم شاہ رحیم (پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی۔

راقم الحروف نے بھی اس شجرہ کو معلوم کرنے کے لئے حضرت اخوند درویزہ کے رشتہ داروں سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے بھی اس نسب نامے کی تصدیق کی ہے۔ اور چونکہ یہ پہلے رحیم شاہ رحیم چھاپ چکے ہیں اسی لئے حوالہ ان کو منسوب کیا جاتا ہے۔

۳؎ مرزا الغ بیگ بن ابو سعید بابر کا دادا تھا۔ ابو سعید پندرھویں صدی کے وسط میں تیموری شہزادوں میں سب سے زیادہ طاقتور تھا۔ دہلی کے حکمران مغلیہ خاندان کا مورث اعلیٰ تھا۔ بہت سے مصنفوں کو اس الغ بیگ پر مشہور و معروف الغ بیگ کا دھوکہ ہوا ہے۔ جو ماہر تعمیرات، سائنس دان اور ماہر فلکیات تھا۔ وہ شاہ رخ کا بیٹا اور تیمور کا پوتا تھا۔ اس نے سمرقند پر دو سال کے مختصر عرصہ تک حکومت کی۔ پھر اسے ۸۵۳ھ/ ۱۴۴۹ء میں قتل کر دیا گیا۔ وہ اور بابر کا چچا دونوں تیموری خاندان سے ہیں۔ لیکن وہ دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور دونوں زمانوں میں دو پشتوں کا فرق ہے۔ ماہر فلکیات الغ بیگ اپنے ہمنام کے دادا کا گہرا دوست اور رشتے کا بھائی تھا۔ اور اپنے دوست کے بیٹے ابو سعید کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا تھا۔ قصہ مشہور ہے کہ ابو سعید نے ماہر فلکیات الغ بیگ کی یاد میں اپنے بیٹے کا نام بھی الغ بیگ رکھا۔ ( دی پٹھان ص ۲۴۳، ۲۴۴۔ از سر اولف کیرو ترجمہ سید محبوب علی ۴؎ دی پٹھان کیرو ص ۱۷۳۔

# حقائق السنن شرح ترمذی

——— معارف۔ اعظم گڑھ (انڈیا) کی نظر میں

دار المصنفین اعظم گڑھ انڈیا کے معروف مجلہ معارف نے ماہ مئی ۱۹۸۵ء میں حقائق السنن شرح ترمذی از مولانا عبدالحق مدظلہٗ پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے۔

مولانا عبدالحق صاحب بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پاکستان) مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ارشد تلامذہ و مسترشدین میں ہیں۔ تقسیم سے قبل وہ دارالعلوم دیوبند میں درس و تدریس کی خدمت پر مامور تھے۔ اس کے بعد انہوں نے اپنے وطن میں دارالعلوم حقانیہ کو فروغ دیا۔ جو پاکستان میں دارالعلوم دیوبند کا ترجمان ہے۔ اب مولانا کے افادات درس و امالی کو جو تقریباً نصف صدی سے سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہے تھے سفینہ میں منتقل کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ اور ابواب الطہارۃ کی حدیثوں کی شرح و توضیح پر مشتمل ہے۔ اس میں بعض مستعد طلبہ کی کاپیوں اور ٹیپ ریکارڈروں کی مدد سے صحاح ستہ کی مشہور و مقبول کتاب جامع ترمذی کے متعلق مولانا کے امالی مرتب کرکے شائع کئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی بعض ممتاز علمائے دیوبند کے جامع ترمذی کے افادات درس و امالی شائع ہو چکے ہیں جو عموماً عربی میں ہیں۔ لیکن زیر نظر مجموعہ اردو میں ہے۔ اس کی نوعیت کا اندازہ کرنے کے لئے یہ مثال کافی ہوگی کہ شارح نے امام ترمذیؒ کے پہلے عنوان ابواب الطہارت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں مندرجہ ذیل بحثیں کی ہیں پہلے عام فقہا و محدثین کے برخلاف امام صاحبؒ کی کتاب کے بجائے ابواب کا عنوان قائم کرنے کی وجہ بتائی ہے۔ پھر طہارت کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور طہارت و نظافت کا فرق واضح کیا ہے۔ اور امام ترمذی کی ترتیب یعنی عبادات کو معاملات پر مقدم کرنے اور عبادات میں نماز اور نماز سے بھی قبل طہارت کے ابواب لانے کی حکمت بیان کی ہے۔ اور اس اشکال کو بھی دور کیا ہے۔ کہ شروط نماز میں اس شرط یعنی طہارت کو مقدم کرنے کا سبب کیا ہے۔ پھر عن رسول اللہ کی قید کی وجہ بتائی ہے اس کے بعد امام ترمذی کے ابواب میں ایک دو، یا تین حدیثوں ہی پر اکتفا کرنے کی وجہیں تحریر کی ہیں۔ اور ترجمۃ الباب میں ان کا طریقہ و قاعدہ بتایا ہے۔ پھر حدیث کی سند اور رجال اسناد پر بحث کے ضمن میں حدثنا و اخبرنا یا حدثنی و اخبرنی کا فرق اور "ح" یعنی تحویل کی بحث کی ہے۔ اس کے بعد متن کے الفاظ اور حدیث کے مفہوم کی وضاحت

کی گئی ہے۔

صلوٰۃ کی وضاحت میں اس امر پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس سے صرف رکوع و سجود والی نمازیں ہی مراد ہیں۔ یا بلا رکوع و سجود کی بھی مراد ہیں۔ اور نماز جنازہ و سجدۂ تلاوت کے لئے وضو شرط ہے کہ نہیں؟ اسی انداز سے حدیث کے دوسرے جز پر بھی بحث کی ہے جس کا ترجمۃ الباب سے کوئی تعلق نہیں ہے اس سلسلہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ کسی حدیث کے تمام اجزاء یا مکمل مضمون کا ترجمۃ الباب سے ربط و تعلق ضروری نہیں ہے۔ آخر میں نفس حدیث پر امام ترمذی کے حکم اور ان کی دوسری مخصوص اصطلاحوں اور حدیث کی اقسام کے علاوہ۔ فی الباب عن فلاں و عن فلاں کہہ کر اس مضمون کی اور حدیثوں کی جانب اشارہ کرنے پر بحث و گفتگو کی ہے۔

فاضل شارح نے فقہا و محدثین کے اقوال و دلائل بیان کر کے ہر مسلک میں حنفی مذہب کو موید و مرجح قرار دیا ہے۔ اور اسی کو حدیث و سنّت سے اقرب بتایا ہے جس سے دوسرے مسلک کے لوگوں کو اختلاف ہو سکتا ہے مگر حنفی مذہب کی تائید کے ضمن میں دوسرے فقہا کی تنقیص سے پرہیز کیا ہے۔

یہ کتاب مفید حدیثی، فقہی اور کلامی مباحث پر مشتمل اور علمائے دیوبند کی تشریح و توضیح کے انداز و معیار کی حامل ہے۔ لیکن ہر زمانہ کے حالات اور تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لئے احادیث کی نئی شرحوں میں جہاں قدیم شروح و حواشی کی مفید باتوں کا تذکرہ ضروری ہے۔ وہاں ان بحثوں میں زیادہ کد و کاوش کی ضرورت نہیں ہے جو اب زیادہ اہمیت کی حامل نہیں رہ گئی ہیں۔ بلکہ نئے مسائل کے بارے میں حدیثوں سے جو راہ نمائی ملتی ہے اس کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے صفحہ ۱۶۵ و ۱۶۶ پر کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت و ممانعت کی حدیثوں کے متعلق قدیم فقہا کا یہ اختلاف نقل کیا ہے کہ بعض کے نزدیک ممانعت کا تعلق آداب معاشرت سے ہے۔ اس لئے یہ تنزیہی ہوگی۔ مگر بعض اسے تحریمی قرار دیتے ہیں۔

شارح نے اس مسئلہ پر نئے حالات کے لحاظ سے بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ چونکہ اس زمانہ میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کفار کا طریقہ اور معمول ہو گیا ہے۔ اس لئے رخصت باقی نہیں رہی۔ اور تشبہ بالکفار سے بچنے کے لئے اب ممانعت کو مکروہ تحریمی پر محمول کیا جائے گا۔ کیونکہ شارح کے بقول زمانہ اور حالات کے بدلنے سے فتاوٰی کا حکم بدل جاتا ہے۔ اگر اس شرح میں اسی طرز و انداز کو اختیار کیا جاتا تو اس کا فائدہ دو چند ہو جاتا۔

شروع میں ایک عالمانہ مقدمہ میں حدیث کے مبادی و مباحث پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور حدیث کی فضیلت و حجیت، تحریر و کتابت، مصنفات حدیث کی قسموں۔ امام ترمذی کے حالات۔ ان کی جامع کی خصوصیات و شرائط اور شارح کے استاذ و استاذ الاستاذ کے حالات۔ اور خود ان کے سوانح درج ہیں۔

دارالعلوم حقانیہ کے استاذ مولانا عبدالقیوم نے شارح کے خلف الرشید مولانا سمیع الحق ایڈیٹر الحق کی نگرانی میں اس شرح کی ترتیب و تسوید کی ہے۔ اور جا بجا مفید حواشی بھی لکھے ہیں۔ شارح و مرتب کا تعلق ایسے علاقہ سے ہے جو اردو کے مرکزوں سے دور ہے۔ اس لئے زبان و بیان اور کہیں کہیں طریقۂ ادا کی خامیاں رہ گئی ہیں۔ مگر ان سے کتاب کی خوبی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

قارئین بنام مدیر

# افکار و تاثرات

- مسعود کھدر پوش - محمد سلیم فاروقی
- فتوحات عثمانؓ اور فتح اندلس - ڈاکٹر حمید اللہ صاحب
- خمینی کا انقلاب ایران - قارئین
- برما میں مسلمانوں کی حالتِ زار - قارئین

**مسعود کھدر پوش کی نئی تحریک** کراچی سے شائع ہونے والے مشہور علمی و ادبی رسالہ سہ ماہی "العلم" کے گذشتہ شمارہ میں جناب سید الطاف علی بریلوی (مدیر العلم) نے اپنے اداریہ میں "ایک بری خبر" کے عنوان سے لاہور کے ایک ہفتہ وار اخبار UIE POINT میں شائع ہونے والی خبر ("پنجابی کو اس کا جائز مقام دیا جائے") پر اپنے خیالات کا مناسب اظہار کیا ہے۔ پنجابی کو اس کا جائز مقام دینے کا مطالبہ ایک منشور کی شکل میں باقاعدہ پریس کانفرنس میں کیا گیا۔ اس مطالبہ کے خاص خاص نکات درج ذیل ہیں۔

- پنجابی زبان کو ذریعۂ تعلیم اور عدالتوں کی زبان بنایا جائے۔
- علاقائی کے بجائے اسے قومی زبان کہا جائے۔
- ریڈیو اور ٹیلی وژن کے اسی فیصد پروگرام پنجابی میں پیش کئے جائیں۔
- پنجابی میں ایم اے کرنے والوں کو ملازمت کے مواقع فراہم کئے جائیں۔
- پنجابی کے اخبارات و رسائل نکالنے کی اجازت دی جائے۔

مدیر "العلم" نے اس سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"مشرقی پاکستان میں جو کچھ ہوا اس کی ابتدا بھی بنگالی زبان اور کلچر کے قضیۂ نامرضیہ سے ہوئی تھی جس کے تلخ نتیجہ میں نہ صرف پاکستان دولخت ہو گیا بلکہ خود مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنکر تباہ و برباد ہو گیا ......

خود صوبہ پنجاب میں کچھ اور زبانیں بھی ہیں جیسے کہ سرائیکی اور پوٹھواری وغیرہ جن کو قومی زبان بنانے کے مطالبے کئے جا سکتے ہیں بالخصوص پوٹھواری کا حق اس لحاظ سے فائق ہو گیا ہے کہ وہاں اب ملک کا دارالحکومت اسلام آباد واقع ہے"

پنجابی زبان کو اس کا اصل حق دلوانے کے لئے جو تحریک شروع کی گئی ہے اس کے کنوینر جناب مسعود

کھدر پوش ہیں جنہوں نے سندھ کے کاشتکاروں کی حمایت میں "ہاری رپورٹ" تیار کی تھی علاوہ بریں انہی صاحب نے اردو میں نماز پڑھانے کا فارمولا بھی پیش کیا تھا۔ مذکورہ تحریک میں مسعود کھدر پوش کے علاوہ اور بھی کئی سربرآوردہ شخصیتیں شامل ہیں۔

سید الطاف علی بریلوی صاحب نے اپنے اداریہ میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کو زبان و کلچرل کی بنیاد دیتا یا ہے۔ حالاں کہ اس عظیم المیہ کے اسباب کچھ اور ہیں۔ اس سلسلہ میں مشہور دانشور اور بانی پاکستان کے دست راست جناب پیر علی محمد راشدی نے اپنے کالم "مشرق و مغرب" (روزنامہ جنگ) میں ایک سلسلۂ مضامین شروع کیا ہے۔ اپنی پہلی قسط میں انہوں نے جو باتیں لکھی ہیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

- علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد میں مشرقی بنگال کا کوئی ذکر نہیں۔
- اپریل ۱۹۴۶ء میں مسلم لیگی اسمبلی ممبروں کی دہلی میں میٹنگ ہوئی وہاں پہلی بار بنگالی نمائندوں خصوصاً جناب حسین شہید سہروردی کی تحریک اور اصرار پر یہ تصور سامنے آیا کہ مشرقی بنگال (یا مشرقی پاکستان) کو مغربی پاکستان کے صوبوں سے ملا کر ایک ہی متحد مسلمان ریاست بنائی جائے۔
- بنگال میں اس الحاق کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھی۔
- مسلم لیگ کا ریکارڈ اس بات کا شاہد ہے کہ وہ آنکھیں بند کئے پاکستان کے معاملہ میں مسلم لیگ کی ہائی کمانڈ کے پیچھے چلتے رہے۔
- ایک وقت آیا جب مسلم لیگ نے ہندوستان کی مشترکہ عارضی کابینہ میں شرکت قبول کی اور اپنے پانچ نمائندے دے۔ لیکن ان نمائندوں میں کسی بنگالی مسلمان لیڈر کو شامل نہیں کیا گیا۔
- پاکستان بننے کے بعد مغربی پاکستان میں چیدہ چیدہ خرانٹ بیوروکریٹ وہاں کے کلیدی عہدوں پر لگا دئے گئے۔
- جوٹ کی کمائی مغربی پاکستان پر خرچ ہوتی رہی۔
- پاکستان بنتے ہی فضل الحق اور سہروردی کے پایہ کے بنگالی مسلم لیگی لیڈروں کو پاکستان کا غدار اور بھارت کا ایجنٹ قرار دیا گیا۔
- ۱۹۵۵ء میں سہروردی مرحوم کو پرائم منسٹری کا جھانسہ دے کر ان سے دغا کی گئی اور چوہدری محمد علی مرحوم خود اس کرسی پر بیٹھ گئے۔

یہ ہے جناب پیر علی محمد راشدی کے مضمون کا خلاصہ جسے پڑھ کر بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں
و کچھ ہوا اس میں زبان اور کلچرل کی حیثیت بہت ثانوی تھی۔ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے اسباب و علل کچھ اور
ی ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ صوبہ پنجاب میں اور بھی کئی زبانیں اپنا وجود رکھتی ہیں جنہیں قومی زبان بنانے کا مطالبہ
یا جا سکتا ہے۔ تو اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ سرائیکی زبان کو اس کا جائز حق دلوانے کی تحریک بہت عرصہ ہوا
روع ہو چکی ہے۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ اس کی جڑیں کہاں تک پھیل چکی ہیں؟ ۱۹۷۴ء میں ملتان میں
ب بہت بڑی سرائیکی کانفرنس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں تقریباً پچاس سرائیکی دانشوروں نے مقالات
ھے تھے۔ اس کی روداد باقاعدہ ایک کتابچہ کی صورت میں شائع ہوئی تھی۔ راقم الحروف کے پاس اس کی چند
پیاں اب بھی محفوظ ہیں۔ اس کتابچہ میں بھی ایک منشور پیش کیا گیا تھا جس کی تفصیل طولانی ہے۔ صرف ایک
ت کی طرف اشارہ کرتا چلوں کہ سرائیکی دانشوروں نے پنجابی کو زبان کی حیثیت سے تسلیم ہی نہیں کیا۔ ان کا یہ
نا ہے کہ اصل زبان سرائیکی ہے جس پر پنجابیوں نے غاصبانہ طور پر قبضہ کر کے اس کی شکل بگاڑ دی ہے یعنی
ں زبان کو پنجابی کہا جاتا ہے وہ بھی سرائیکی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ واللہ اعلم

پنجابی زبان کو "قومی زبان" بنانے کے لئے ایک دستخطی مہم شروع کی گئی جن معروف شخصیات نے
ا مہم میں حصہ لیا ان کے نام درج ذیل ہیں۔

میاں ممتاز دولتانہ۔ عبدالحفیظ کاردار۔ میاں محمود علی قصوری۔ ملک معراج خالد۔ ڈاکٹر
مبشر حسن۔ چوہدری اعتزاز احسن۔ مولانا عبیداللہ انورؒ اور مسٹر مظہر علی خان۔

اس مطالبہ کی خبر کے ساتھ جب مذکورہ نام اخبارات میں شائع ہوئے تو ان حضرات میں سے کسی ایک نے
ید نہیں کی۔ اس کے باوجود میاں ممتاز دولتانہ۔ محمود علی قصوری اور مولانا عبیداللہ انور کی اس تحریک میں شمولیت
یں اب بھی شبہ ہے۔ خاص طور پر مولانا عبیداللہ انورؒ جو شیخ التفسیر مولانا احمد علیؒ لاہوری کے لائق فرزند
ے کے ساتھ ساتھ خود بھی علمائے دین میں ایک معتبر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ اب وہ اپنے خالق حقیقی
جا ملے ہیں اس لئے ان کی تردید و تائید کے بارے میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ البتہ میاں ممتاز دولتانہ اور محمود علی
ری اس سلسلہ میں اپنی پوزیشن ضرور صاف کر دینا چاہئے۔ اگر ان ہر دو ذمہ دار حضرات نے ایسا نہ کیا تو
نامناسب بات ہوگی۔

زبان کے حقوق و تحفظ کا مسئلہ ہمیشہ سنجیدہ نوعیت کا رہا ہے۔ لیکن بیسویں صدی میں اس نے ایک طوفان
کل میں سر اٹھایا ہے۔ زبان کے امتیاز نے ملکوں اور قبیلوں کو تتر بتر کر دیا۔ جب برصغیر پاک و ہند میں فرنگیوں
پنے قدم جمائے تو اس کے بعد ان کی زبان و تعلیم کا مسئلہ پیدا ہوا۔ علمائے ہند و پاک کا ایک محدود گروہ انگریزی

زبان کے سخت خلاف تھا جب اس بارے میں مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ سے مسئلہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے نص قرآنی کے ذریعہ اس کا حل پیش کر دیا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:

اللہ تعالیٰ نے رنگتوں اور زبانوں کے اختلاف کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے۔ (سورۃ روم)

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ:

"سو اگر کوئی ایسا شخص جو اپنی ضروریاتِ دینیہ، عقائد و مسائل سے واقف ہو اور ظن غالب ہو کہ یہ شخص بوجہ صحبت کفار فجار کے ان کے خیالات یا رسوم کی طرف مائل اور اپنے دین سے سست عقیدہ نہ ہوگا واسطے کسب معاش وغیرہ کے انگریزی یا ہندی پڑھے تو جائز ہے"

اس حوالہ کے پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے دنیا کی کسی زبان یا بولی کے بارے میں کبھی کوئی سخت رویہ نہ رکھا۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مقتدر صحابہ کرامؓ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں کفار و مشرکین کی زبانیں سیکھیں۔ اسی طرح عربی کو لے لیجئے۔ اگرچہ اسلام کے حوالہ سے عربی صرف مسلمانوں کی زبان ہونا چاہئے کیونکہ ان کی دینی کتاب قرآن اسی زبان میں ہے۔ لیکن آپ یہ دیکھئے کہ صورت حال اس کے بالکل برعکس عربی یہودیوں کی بھی مادری زبان ہے اور عیسائیوں کی بھی کیونکہ جو یہودی اور عیسائی سینکڑوں سال سے سرزمین عرب میں آباد ہیں۔ ان کی مادری زبان عربی ہی ہوگی۔ انگریزی یا لاطینی نہیں۔ اس کے علاوہ آپ اس حقیقت سے بھی جائزہ لیجئے کہ جب اسلام کا دائرہ فتوحات وسیع ہوا اور قطعہ زمین پر بسنے والی مختلف المذاہب اقوام نے اسلام قبول کیا تو وہاں بھی عربی زبان کی قید نہیں رکھی گئی۔ بلکہ قرآن و حدیث اور مسئلہ مسائل کی کتابوں کے تراجم ہوئے لوگوں نے انہی ترجموں کی مدد سے جو ان کی مادری زبان میں ہوئے اسلام کو سمجھا۔ مثلاً فارسی کو لے لیجئے اسلام کا تمام تر دینی سرمایہ اس زبان میں موجود ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ زبان اور کلچرل کے مسائل جس شدت سے عہد جدید میں پیدا ہوئے ہیں اس وقت دنیا کا ہر خطہ اس آندھی کی لپیٹ میں آچکا ہے۔ کیا عرب، کیا ایران، کیا ہندوستان اور کیا پاکستان۔ انتہا تو یہ ہے کہ لسانی و ثقافتی عصبیت کے شکار افراد موہنجوداڑو اور ٹیکسلا کے کھنڈروں میں ہزاروں سال پرانا اور مدفون شدہ ورثہ تلاش کر رہے ہیں۔ اس پر مضامین و مقالات لکھے جاتے ہیں سیمینار ہوتے ہیں۔ غیر ملکی وفود کو آثار کا معائنہ کرایا جاتا ہے۔ دراصل یہی وہ ذہن ہے جس نے مملکت اسلامی اور پاکستان میں زبان و ثقافت کا مسئلہ کھڑا کیا ہے۔ اگر لوگوں میں دین اسلام کی قدر و منزلت ہو تو ان سے پوچھا جائے کہ جناب آپ کتاب و سنت

کے پیروکار ہیں۔ آپ کا ملک اسلامی ملک ہے۔ آپ کا پانچ ہزار سال یا تین ہزار سال پرانی یا مسخ شدہ
تہذیبوں سے کیا تعلق ؟ یہ گڑے مردے اکھیڑنے سے اسلام یا پاکستان کو کیا فائدہ ہوگا ؟

اندرون ملک بڑھتے ہوئے لسانی و ثقافتی تنازعات پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو دل اس بات کو
قبول کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا کہ پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا تھا۔ کیونکہ پاکستان بننے کے
بعد یہاں مذکورہ تنازعات نے یہ صورت اختیار کی کہ بھائی بھائی کی جان لینے پر کمر بستہ ہوگیا۔ لسانی عصبیت
نے اسلام کے اس اصول پر بھی خط تنسیخ کھینچ دیا جس کے تحت "تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں"
ان کے لئے اسلام ہی دین و دنیا میں سرخروئی کا ذریعہ ہے۔ باقی زبان، ثقافت، علاقائیت سب "بتانِ وہم و
گمان ہیں"

کہتے ہیں علم انسان کو تاریکی سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں خود ارباب لوح و قلم یعنی
دت عام میں دانشور جو ہر معاشرہ میں سب سے زیادہ سمجھدار اور ہوشمند ہوتے ہیں لسانی عصبیت کی
شتکاری کر رہے ہیں۔ سیاست دان ذاتی مفاد کے لئے یہ زہر پھیلا رہے ہیں۔ علمائے دین جن پر ان خرابیوں
دور کرنے کی سب سے زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ وہ بھی اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہے
کسی کو اپنی ذمہ داری کا احساس نہیں۔ ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے ایک خطبہ میں بالکل صحیح کہا کہ
تان کا وجود اسلام کا رہین منت ہے اگر اسلام نہ رہا تو پاکستان بھی نہیں رہے گا۔

حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ابھی کل تک قیام پاکستان کو اس لئے ضروری سمجھا جا رہا تھا کہ مسلمان
ن۔ تہذیب اور مذہب میں ہندوؤں سے میل نہیں کھاتے تھے۔ ان کی اولاد مشرکانہ ماحول میں گمراہ ہو رہی
۔ انگریز اور ہندو دونوں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ علامہ اقبال نے یہ فیصلہ کیا کہ
جودہ پاکستان کے چاروں صوبوں یعنی سندھ، بلوچستان، پنجاب اور سرحد کو ملا کر ایک اسلامی ریاست
ی جائے۔ چنانچہ سب نے اس پر لبیک کہا اور مسٹر محمد علی جناح کی رہبری میں قیام پاکستان کی تگ و دو
ع ہوگئی۔ اور پھر ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ اور بٹ کے رہیں گے
تان۔ بن کے رہے گا پاکستان کی صدائیں گونجنے لگیں۔ اس وقت تو پاکستان کے قیام کی جدوجہد میں حصہ
الوں کا دین بھی ایک تھا۔ آسمانی کتاب بھی ایک تھی۔ کلمہ بھی ایک تھا۔ رسولؐ بھی ایک تھا۔ زبان بھی ایک
ر کلچر بھی ایک تھا اور پاکستان بننے کے بعد ہر ایک چیز الگ الگ ہوگئی۔ کیا یہ فراڈ مسلمانوں نے
ں کے ساتھ کیا تھا یا اللہ اور اس کے رسولؐ کے ساتھ ؟

علاوہ بریں جب بانیٔ پاکستان مسٹر محمد علی جناح نے یہ اعلان کیا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہوگی تو اس

تو اس وقت پنجابی زبان کو اس کا اصل حق دلوانے والوں میں سے کسی میں اتنی اخلاقی جرأت نہ تھی کہ وہ ان سے کھڑے ہو کر کہتا کہ محترم! پاکستان کے چار صوبے ہیں جن کی زبان، ثقافت اور معاشرت جدا جدا ہے۔ اس لئے ہر صوبے کی قومی زبان الگ ہو گی۔ جب ہماری زبانیں باقاعدہ و باضابطہ موجود ہیں تو ہم کسی دوسری زبان کو پاکستان کی قومی زبان کیوں بنائیں تو مسئلہ اسی وقت حل ہو جاتا۔ اور آج اس لسانی مسئلہ پر کوئی سر پھٹول نہ ہوتی

لسانی مسائل کو ہوا دینے والوں سے ہمیں یہ بھی پوچھنا ہے کہ جناب اگر آپ کو پاکستان بننے کے بعد یہی کچھ کرنا تھا تو آپ ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ مل جل کر رہتے کیونکہ پنجابی سکھ بھی بولتا تھا اور ہندو بھی۔ اور یہ جو اسلام اور پاکستان کے نام پر لاکھوں انسانوں نے جانیں دیں۔ اپنا گھر بار لٹوایا۔ عزت و عصمت کی دھجیاں اڑوائیں۔ آخر کس لئے! یہ عظیم جانی و مالی نقصان کس کے کھاتے میں لکھا جائے گا۔ آخر یہ خونِ ناحق کس کی گردن پر ہو گا؟

مقام افسوس ہے کہ جب ان لاکھوں بے گناہ انسانوں کے خون پر قائم ہونے والے پاکستان نے آپ کو عزت دی، زندگی کے آسائش و آرام مہیا کئے تو آج آپ کو پنجابی زبان کو قومی زبان بنوانے اور اسے اس کا اصل حق دلوانے کا خیال آیا اس سے پہلے آپ کہاں سو رہے تھے؟

مسعود کھدر پوش صاحب نے جو تحریک شروع کی ہے ہو سکتا ہے کہ اس کا بعض لوگوں نے کوئی نوٹس لیا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم لوگ ہر مسئلہ کو سرسری نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں اس کے اسباب وعلل پر گہری نگاہ ڈالنے کی زحمت گوارہ نہیں کرتے جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب ہوش آتا ہے۔ آپ ذرا غور فرمائیے کہ ہمارے چند معتبر بزرگ سر جوڑ کر بیٹھے اور پنجابی کو قومی زبان بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ اب پنجابی قومی زبان بنے یا نہ بنے لیکن اس کا پاکستان کی اس نئی نسل پر کیا اثر پڑے گا جو مستقبل میں ملک کی باگ ڈور سنبھالے گی ہم کہتے ہیں کہ ان تمام نزاعی باتوں کا نئی نسل پر اثر پڑ چکا ہے۔ ہمارے بزرگ پنجابی زبان کو قومی زبان بنانے کی محض پر دستخطی مہم چلا رہے ہیں۔ اور نئی نسل تعلیمی اداروں میں پنجابی، پختون، بلوچ اور سندھی فیڈریشنیں بنا کر ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہے ع

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

ان معروضات کی روشنی میں ہم انتہائی دردمندی کے ساتھ مسعود کھدر پوش اور ان کے ہم نواؤں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ پاکستان کے اندرونی خلفشار اور بیرونی خطرات کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی تحریک کو کسی وقت پر اٹھا رکھیں۔ اس وقت پنجاب پاکستان کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر ان نازک حالات اس قسم کی تحریکیں یہاں سے اٹھیں تو اس کے نتائج ملک و قوم کی سالمیت کے لئے بہتر نہ ہوں گے۔ اس وقت

ہمیں اس انداز میں سوچنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کی تمام علاقائی زبانیں قوم کی اپنی زبانیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رنگتوں اور زبانوں کے اختلاف کو اپنی نشانیاں قرار دیا ہے۔ اس لئے بحیثیت مسلمان ہمیں اس اختلاف کو اپنا ذاتی اختلاف نہیں بنانا چاہئے۔

محمد سلیم فاروقی
پیرس ۹ رمضان المبارک ۱۴۰۵ھ

★ حضرت عثمانؓ کی فتوحات اور فتح اندلس

مخدوم و محترم زاد فیضکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں محترم الحق کی ارسالی سے میری سرفرازی فرماتے رہتے ہیں ابھی ابھی رجب کا شمارہ آیا ہے۔ اس میں حضرت عثمانؓ کی فتوحات پر ایک سادہ مورخ نہیں ایک ماہر عسکریات فوجی افسر کے قلم سے بحث دیکھی۔ بہت دلچسپی سے پڑھی۔ میں مقالہ نگار کو مبارکباد دوں کہ میں چراغ بھی ہو جاؤں تو وہ آفتاب ہیں۔

اس میں ایک تشنگی محسوس ہوئی۔ وہ اندلس کی فتح ہے۔ تاریخ طبری (اور بہ کثرت دیگر تاریخوں) میں ذکر ہے کہ ۲۷ ہجری میں حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس الفہری اور عبداللہ بن نافع الحصین الفہری کو فوج کے ساتھ افریقیہ سے اندلس روانہ کیا۔

فاتیاہ من قبل البحر وکتب عثمان الی اھل اندلس: " اما بعد فان القسطنطینیۃ انما تفتح من قبل الاندلس و انکم ان افتتحتموھا کنتم شرکاء من یفتحھا فی الاجر والسلام" فخرجوا ومعھم البربر من برھا و بحرھا ففتحھا اللہ علی المسلمین وافرنجۃ وازدادوا فی سلطان المسلمین مثل افریقیۃ۔

یہ دونوں (جنرل) سمندری راستہ سے وہاں پہنچے اور حضرت عثمانؓ نے اندلس والوں کو مخاطب کر کے لکھا۔ " بعد حمد و صلات، حقیقت میں قسطنطنیہ کی فتح اندلس کے راستے سے ہوگی اور اگر تم اسے فتح کر دو تو اس کی فتح کرنے والوں کے اجر میں تم بھی شریک رہو گے۔ والسلام" یہ فوجیں گئیں اور ان کے ساتھ بربر قوم کے لوگ بھی تھے۔ خشکی کے راستے سے بھی سمندر کے راستے سے بھی۔ اور اللہ نے یہ (اندلس) اور افرنجہ (فرنگستان، فرانس) مسلمانوں کے لئے فتح کرایا اور یہ ملک بھی افریقیہ کی طرح مسلمانوں کی سلطنت میں بڑھ گئے (شامل ہو گئے)

ناچیز نے اس موضوع پر ایک عربی مضمون بھی لکھ کر سارے ماخذوں سے اقتباس دئیے ہیں اور وہ استنبول

یونیورسٹی میں شائع ہوا ہے۔ ۲۶ھ کے معنے رسول اللہ ﷺ کے وصال کے صرف پندرہ سال بعد مسلمان ایشیا۔ افریقہ اور یورپ تینوں براعظموں پر اللہ کی حکومت قائم کر دیتے ہیں۔ (ناچیز و حقیر محمد حمید اللہ۔ پیرس)

★ خمینی کا ایرانی انقلاب | ایرانی انقلاب کے جو اثرات پڑ رہے ہیں اور علم میں آرہے اور مختلف ممالک سے اطلاعات آتی رہیں تو دل میں شدید داعیہ پیدا ہوا۔ کہ اس فتنہ کے سدباب کے لئے جو کیا جاسکتا ہو کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق بھی ملی۔ قریباً دو سال میں لکھ سکا جو زیادہ سے زیادہ دو ماہ میں لکھا جاتا۔ میں نے اس کو اپنے حق میں فرض عین سمجھا۔ اس حالت میں لکھا کہ کبھی کبھی شبہ ہوتا تھا کہ شاید یہ کام پورا نہ ہو سکے گا۔ اور وقت موعود آجائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کام لینا مقدر تھا بفضلہ تعالیٰ لے لیا گیا۔

یہ بھی چاہتا تھا کہ کتاب ضخیم نہ ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ پڑھی جاسکے۔ ہزار ہا صفحات پڑھنے کے بعد جو کچھ لکھنا تھا وہ صرف تین سو صفحات میں لکھا۔

پریس کی اطلاع سے معلوم ہوا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ طباعت مکمل ہو گئی۔ اب کتاب سازی اور تجلید کا کام انشاء اللہ ہفتہ عشرہ میں ہو جائے گا۔ میں نے انتظام کیا ہے کہ جلد سے جلد کراچی سے بھی شائع ہو جائے۔

ایک صاحب ادھر جانے والے ہیں ارادہ ہے کہ کچھ نسخے ان کے ساتھ بھیج دئے جائیں۔

(اقتباس از مکتوب مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ۔ الفرقان لکھنؤ)

★ سابقہ دو شماروں میں آپ نے خمینی کے افکار و نظریات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ بر وقت اور ضروری ہے میری شروع سے یہ رائے ہے کہ ایران کا انقلاب اسلامی نہیں بلکہ شیعی اور سابق شاہ کے خلاف انتقامی انقلاب ہے جسے شیعی افکار و نظریات کے فروغ کے لئے برپا کیا گیا ہے۔ دراصل اس پروپیگنڈہ میں جماعت اسلامی والوں کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ (حکیم ارتضیٰ حسن اجملی۔ ملتان چھاؤنی)

★ خمینی کی "حکومت الٰہیہ"۔ جو ترجمہ جماعت اسلامی کے اسعد گیلانی صاحب نے کیا ہے اس میں مترجمانہ بددیانتی کر کے انتہائی مترجمانہ بددیانتی کی ہے۔ کہ جو ہفوات اس میں تھے اس کا ترجمہ ہی نہیں کیا تاکہ بیشتر لفظ میں جو واحد اسلامی حکومت کہا گیا ہے اس کی تغلیط نہ ہو جائے۔ میرے پاس تہران سے شائع شدہ اصل کتاب بھی ہے جس سے اس ترجمہ کا مقابلہ کر کے یہ معلوم کیا ہے۔ اس پر ایک طویل مضمون لکھنے کا ارادہ ہے انشاء اللہ (محمد اعظم علیخان خسروی۔ کراچی)

★ ایک نکتہ کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

ایرانی حکومت نے عراق کی شہری آبادی پر بمباری کرنے سے پہلے وہاں کے چار شہروں نجف، کربلا، کاظمین اور سر من رای کو اپنے مقدس مقامات قرار دے کر اپنی بمباری سے محفوظ رکھا ہوا ہے۔ مگر بغداد پر پے در پے حملے کر رہا ہے جب کہ وہاں اہلسنت کے اکابر حضرت امام ابو حنیفہ اور شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہم اللہ کے مزارات

باقی ص ۵۲ پہ

شاہ بلیغ الدین

# عمر ثانی

## پانچویں خلیفۂ راشد

۹۹ ہجری، صفر کا مہینہ ہے۔ بنی امیہ کا ساتواں فرماں روا سلیمان بن عبدالملک بستر مرگ پر ہے۔ رجاء بن حیواۃ اس کے کمرے سے نکلے، باہر آئے۔ ہاتھ میں ایک لفافہ تھا حضرت رجاء بن حیواۃ نے لوگوں سے کہا۔ یہ لفافہ دیکھتے ہو؟ بند ہے!

لوگوں نے کہا — ہاں!

حضرت رجاء بن حیواۃ نے کہا۔ یہ بھی دیکھتے ہو؟ اس پر شاہی مہر لگی ہے! سب نے کہا — ہاں!

رجاء بولے! تو پھر آؤ! بیعت کرو اس شخص کی جس کا نام اس لفافے میں بند ہے۔ امیر المومنین عبدالملک کے بعد وہی ہمارا امیر ہوگا!

لوگوں نے پوچھا۔ اس میں کس کا نام لکھا ہے؟

رجاء نے جواب دیا — دیکھتے نہیں یہ بند ہے۔ ہمیں تو بیعت اس کے لئے کرنی ہے جس کے لئے امیر المومنین نے وصیت فرمائی ہے۔

لوگوں نے کہا۔ نہیں! — نام بتایئے گا تو بیعت کریں گے ورنہ نہیں؟

رجاء نے جواب دیا — نام تو صرف امیر المومنین کے مرنے کے بعد ہی معلوم ہو سکتا ہے — جب یہ لفافہ کھلے گا۔

لوگ کچھ بیعت کرنے کی طرف مائل نہ تھے۔ رجاء لوٹے۔ سلیمان کے کمرے میں پہنچے سلیمان جو آخری گھڑیاں گن رہے تھے۔ سخت انتظار اور بے چینی سے رجاء کا راستہ دیکھ رہے تھے۔ انہیں دیکھتے ہی پوچھا — بیعت ہوگئی؟

رجاء نے تفصیل سنائی۔ سلیمان سوچ میں پڑ گئے۔ خدا سے لو لگی ہوئی تھی۔ بار بار ذہن میں وہ الفاظ ابھر رہے تھے جو دو دن پہلے حضرت رجاء بن حیوۃ نے کہے تھے — امیر المومنین اپنا جانشین آپ کو ایسے نیک پرہیزگار شخص کو بنانا چاہیے کہ آپ کو قبر میں سکون حاصل رہے۔ چنانچہ سلیمان نے اپنی ولی عہدی کے

لئے ایسا فیصلہ کیا تھا کہ خدا کے آگے جاتے ہوئے اس کا دل مطمئن تھا۔ پھر لوگوں کا کیا ڈر؟ امت کو فتنے سے بچانے کے لئے جانشینی کے دعویداروں اور ان کے ساتھیوں پر تھوڑی سی سختی کرنے میں کوئی مضائقہ نہ تھا۔ رجاء کو پاس بلایا۔ حکم دیا ــ ان لوگوں سے بہر صورت بیعت لو! نہ مانیں تو انہیں جانے کی اجازت مت دینا۔ رجاء لوٹے، لوگوں نے دیکھا لفافہ اب بھی بند ہے۔ لیکن رجاء کے چہرے پر اس بار عزم کی جھلکیاں ہیں! اتنے وقت میں رجاء امیر المومنین کے پاس سے لوٹے، لوگوں نے آپس میں بات چیت کر لی تھی اور ایک سمجھوتے پر پہنچ گئے تھے۔ حضرت رجاء بن حیوہ کی شخصیت بھی قابلِ احترام تھی۔ اس لئے ان کی بات ٹالتے ہوئے ہر ایک سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس مرتبہ جو رجاء آئے تو انہوں نے امیر المومنین کا حکم سنایا۔ حضرت رجاء کی ذات پر جو اعتماد تھا وہ اس مرتبہ کام آ گیا۔ ویسے سلیمان بن عبدالملک کے بارے میں بھی عام رائے اچھی ہی تھی۔ کہاں تو حکومت نہ ملنے پر ہشام کا غم و غصہ اور کہاں عمر بن عبدالعزیز کا یہ حال کہ منبر پر آئے تو کہا ــــ لوگو میری مرضی کے خلاف اور عام مسلمانوں کی رائے کے بغیر مجھ پر حکومت کا بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ اس لئے سب میری طرف سے صاف الفاظ میں سن لیں کہ تم نے امیر المومنین کے ہند وصیت نامے پر جو بیعت کی تھی، میں اس کی ذمہ داری تم لوگوں سے اتارتا ہوں تم جسے چاہو اپنا امیر منتخب کر لو۔ خدا حافظ۔

یہ کہہ کر وہ منبر سے اُتر رہے تھے کہ لوگوں نے زبردستی پکڑ کر وہیں بٹھا دیا۔ ہر طرف سے آوازیں اٹھیں ہم میں آپ سے بہتر کوئی اور نہیں ہم آپ کے انتخاب پر بہت خوش ہیں اور دل سے آپ کی بیعت قبول کرتے ہیں۔

حضرت رجاء بن حیوۃ نے ہشام سے کہا۔ اٹھو اور تم بھی بیعت کر لو۔ ہشام نے بھی جو اس جانشینی کا سب سے بڑا دعوےدار تھا۔ بیعت کر لی۔ تو پھر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خطبہ دیا۔ حمد و ثنا کے بعد آپ نے کہا :-

مسلمانو! اچھی طرح سمجھ لو کہ قرآن کریم کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں اُترے گی۔ اور رسول اللہ کے بعد اور نبی پیدا نہ ہوگا۔ میں حکم دینے والا نہیں، تعمیل کرنے والا ہوں۔ خدا اور رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرنے والا! میں احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ میں کسی صورت میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ پھر بھی مجھ پر تم سب سے زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ یاد رکھو اللہ پاک کی نافرمانی کرتے ہوئے اس کے کسی بندے کی فرماں برداری ہو ہی نہیں سکتی۔ اس لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرو۔

بیعت لے کر اور خطبہ دے کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ منبر سے اُترے۔ واپسی کے لئے شاہی
سواری پیش کی گئی تو بولے۔ بس شکریہ! میرا خچر لاؤ۔ یہی میرے لئے بہتر ہے۔

پوچھا گیا۔ آپ شاہی محل جائیں گے؟

بولے۔ میرا خیمہ اس سے بہتر ہے۔ وہاں تو ابھی سلیمان کے بچے رہیں گے۔

پھر کاتب سلطنت کو بلوایا۔ یعنی حکومت کے چیف سیکرٹری کو۔ اور اپنی خلافت کا فرمان لکھوایا۔
پھر حکم دیا۔ تمام شہروں میں اس کی نقلیں بھجوا دو۔ اگر عوام نے اطلاع کو پسند کیا تو میں کام کو سنبھال لوں گا
ورنہ نہیں۔

عبدالعزیز بن عبدالملک اس وقت کہیں دور تھا۔ اسے اطلاع ملی کہ بھائی سلیمان نے وفات پائی
تو اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ دمشق پر حملہ کرنے کا خیال تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کا
فرمان ملا۔ فرمان پڑھتے ہی دوڑتا دوڑتا آیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا۔ تم نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تھا؟

بولا ـــــ ہاں۔

دمشق پر قبضہ کرنا چاہتے تھے؟

جواب دیا ـــــ ہاں۔

پوچھا ـــــ اب کیا ارادہ ہے؟

عبدالعزیز نے کہا ـــــ جی میں بیعت کرنے حاضر ہوا ہوں۔ وہ اعلان تو میں نے اس لئے کیا تھا کہ سلطنت
و لوٹ مار سے بچاؤں۔ آپ جانتے ہیں دعوے داروں کی کمی نہیں لیکن جب معلوم ہوا کہ آپ کے لئے وصیّت
ہوئی ہے تو دل خوش ہو گیا فوراً بیعت کرنے حاضر ہو گیا ہوں تا کہ کسی کو غلط فہمی نہ رہے۔

فرمایا ـــــ تم بیعت لیتے اور خلیفہ ہو جاتے تو میں جھگڑا نہ کرتا۔ گھر میں بیٹھا رہتا۔

عبدالعزیز نے کہا ـــــ ایسا تو سوچئے بھی نہیں۔ اللہ پاک ضرور سلیمان کو بخش دے گا۔ اس نے
آپ کو ہمارا امیر بنایا۔ ۹۹ ہجری۔ ۲۰ صفر جمعہ کا دن تھا کہ سلیمان بن عبدالملک کا جنازہ محل سرا سے باہر نکالا
گیا ہے۔ ہزاروں لوگ جمع تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے درخواست کی گئی کہ نماز جنازہ پڑھائیں
ولید بن عبدالملک کی نماز جنازہ بھی آپ ہی نے پڑھائی تھی۔ ایک تو قریبی عزیز، دوسرے عالم اور پرہیزگار
انہیں کا حق تھا کہ نماز پڑھاتے ـــــ صفیں درست ہوئیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ آگے بڑھے۔ سلیمان
کی نعش کفنائی ہوئی سامنے رکھی ہوئی تھی۔ سلیمان جو کل تک خلیفہ وقت تھے ـــــ اس کا حکم

کس پر نہیں چلتا تھا لیکن آج ع

خاموش ہو گیا تھا چمن بولتا ہوا

سلیمان ہم عمر تھا، دوست تھا۔ تایا زاد بھائی تھا اور برادر نسبتی تھا جب سے خلیفہ ہوا تھا آپ اس کے مشیر تھے۔ سلیمان بڑا سجیلا جوان تھا بہتر سے بہتر کپڑا پہنتا۔ ابھی کل ہی کی بات ہے اس نے سبز پوشاک پہنی تھی۔ سبز ہی عمامہ سر پر باندھ رکھا تھا۔ کشیدہ قامت، اچھا ناک نقشہ، آئینہ دیکھ کر اسے خیال ہوا کہ اس نے بڑی جامہ زیب جاذب نظر شخصیت پائی ہے۔ پلٹا تو دیکھا، پاس ہی ایک بیگم کھڑی تھی۔ ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی تھی ——— چہرے پر خوشی کی جھلکیاں تھیں ——— پوچھا ——— کیا دیکھ رہی ہو؟

جواب میں اس نے دو شعر پڑھے ——— مطلب تھا ——— اگر تو دنیا میں باقی رہے تو بہترین دولت ہے لیکن افسوس ہے کہ انسان رہنے والا نہیں۔ میں نے تجھ میں کوئی ایسا عیب نہیں دیکھا جو دوسرے لوگوں میں ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہ تو بھی فانی ہے۔

سلیمان اپنی دلکش وجاہت پر اور بھی نازاں ہو گیا۔ یہ اس جمعہ کی بات تھی اور اسے اس جمعہ تک جینا نصیب نہ ہوا۔ سچ ہے آخر انسان کس بات پر اتراتا ہے۔ کل من علیہا فان ——— عمر بن عبدالعزیز خود بھی بڑے جامہ زیب آدمی تھے۔ بڑے خوش لباس تھے اور اب تو حکومت بھی ان کے قبضہ میں آئی تھی۔ جوانی کے دن تھے دل درد آشنا سے پوچھا اب کیا ارادہ ہے؟

نظروں نے کہا ——— وہ دیکھو سامنے سلیمان کا جنازہ رکھا ہے۔ جلال و جمال کی بس یہی حقیقت ہے دل نے توبہ کی۔ زبان سے استغفار پڑھی۔ معلوم ہوا جیسے کسی نے جھنجھوڑ کر کہا ؎

یارے دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

صفیں درست ہو چکی تھیں۔ لوگ قبلہ رو ہو گئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے پلٹ کر دیکھا، ہزاروں لوگ پیچھے یعنی اطاعت کے لئے تیار کھڑے ہوئے ہیں۔ سب کی نظریں ان پر تھیں۔ وہ امام وقت بھی تھے۔ امیر وقت بھی تھے۔ ایک دنیا پیشوائی کے لئے تیار تھی۔ نفس سرور اقتدار کے جھونکے سے سرشار ہو گیا تھا کہ نظر اٹھی سلیمان کفنایا ہوا سامنے پڑا تھا جیسے خبردار کر رہا ہو، ہستی اپنی حباب کی سی ہے۔ یہ نمائش سراب کی سی ہے موسیٰ بن نصیر کس شان کا امیر تھا۔ پانچ پانچ سو لونڈی غلاموں کا پرا اس کے حضور میں موجود رہتا تھا ——— سلیمان نے اس کی کیا گت بنائی۔ دانے دانے کا محتاج ہو گیا تھا۔ در در مانگتا پھرتا تھا۔ قتیبہ بن مسلم کس پائے کا سپہ سالار تھا۔ سمرقند و بخارا ہی نہیں کاشغر و سرحد چین تک پر اس نے تسلط حاصل کر لیا تھا اور محمد بن قاسم ——— ستاروں پر جو ڈالتا تھا کمند۔ اسی سلیمان نے اقتدار کے نشے میں ان غیر معمولی شخصیتوں کو تباہ کر دیا۔ اور

ج وہ خود موت کے جنگل میں بے بس پڑا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دل ہی دل میں توبہ کی۔ ظلم سے جبر و
ستبداد سے! اقتدار کی ہوا و ہوس سے! حسد، رقابت اور کینہ توزی سے! دعائیں مانگیں کہ ۔۔۔ خداوندا!
یدھے راستے پر چلا۔ ان لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تو نے انعام کیا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ پہلے ہی خوف خدا سے کانپنے والے۔ اقتدار ہاتھوں میں آیا تو لرز اُٹھے۔ گھر
پہنچے تو لونڈی غلام آگے پیچھے ہو گئے۔ ہر کوئی مبارک باد دینے، خوش آمدید کہنے آیا۔ لیکن آپ گم سم بیٹھے
تھے۔ ایک خدمت گار نے ہمت کر کے پوچھا ۔۔۔ آقائی! آج آپ اتنے رنجیدہ کس لئے ہیں؟ آج تو بڑی
خوشی کا دن ہے۔

بولے ۔۔۔ میں اس لئے فکر مند ہوں کہ مستحق کے حق مانگنے سے پہلے اس کا حق مل جانا چاہئے۔ اگر وہ
میری پر عرضیاں لے کر میرے پیچھے دوڑتے رہے اور اپنے حق کے لئے در در کی ٹھوکریں کھاتے رہیں تو
خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

سہل بن صدقہ کا بیان ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اُن کے گھر سے رونے دھونے کا اک
شور اٹھا۔ لوگوں نے پوچھا کیا معاملہ ہے؟ معلوم ہوا گھر میں جتنے غلام اور لونڈیاں تھیں سب کو آزاد کر
دیا ہے۔ ان سے کہا گیا ہے ۔۔۔ اب مجھ پر وہ بوجھ پڑا ہے کہ تم سب سے بے پروا ہو گیا ہوں۔ اب
جو آزادی کا خواہشمند ہو وہ آزاد ہے جو رہنا چاہے وہ صرف ایک شرط پر رہ سکتا ہے کہ مجھے اس کی ضرورت
ر، خلیفہ کے اس حکم سے کہرام مچا ہوا ہے۔ بیوی شہزادی فاطمہ کا بیان ہے ۔۔۔ خلافت کے بعد
جب بھی گھر آتے نماز پڑھتے اور روتے رہتے۔ جب نیند کا غلبہ ہوتا تو جا نماز ہی پر پڑ کر سو رہتے۔ پھر
کھلنے پر وہیں رکوع و سجود۔ وہی گریہ و زاری، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی۔

ابو امیہؒ گھر میں آتے جاتے تھے۔ انہیں امیر المومنین کے گھر میں اکثر کھانے پر روک لیا جاتا تھا۔ مسلسل
مسور کی دال کھاتے کھاتے ابو امیہ نے کہا ہر وقت دال ہی کیا؟ ۔۔۔ شہزادی فاطمہ نے جواب دیا۔ اے
تمہارے امیر المومنین کا تو کھانا ہی یہی ہے

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ جس کے فقر میں ہے حیدری و کراری

عون بن عمر کا بیان ہے۔ ایک دن امیر المومنین گھر آئے، شہزادی کو ڈھونڈا، فرمایا ۔۔۔ آج انگور
کھانے کو بہت جی چاہتا ہے تمہارے پاس ایک درہم ہو تو منگوا لو۔
کیا زندگی تھی کہ دینار چھوڑ درہم بھی بیوی کے پاس نہ تھا ۔۔۔ بولی ۔۔۔ بہت جی چاہتا ہے تو

بیت المال سے ایک درہم کے انگور منگوا لیجیے۔ آپ تو امیر المومنین ہیں۔ سب اختیار تو آپ ہی کا ہے جواب دیا ۔۔۔ ہاں کیوں نہیں۔ آج تو یہ بہت آسان ہے کل خدا کو کیا جواب دوں گا۔ تھوڑی یا بہت ہے تو یہ بھی امانت میں خیانت۔

سعید بن سوید کا بیان ہے ۔۔۔ خلیفۂ وقت نماز جمعہ پڑھانے آتے۔ جامع دمشق جیسی شاندار مسجد دلہن کی طرح ہی سجی ہوئی اور امام وقت کا یہ حال ہوتا کہ جسم پر گرتے کے کپڑے تک [illegible] آگے پیچھے پیوند لگے ہوتے، جانے کتنے پیوند، ایک آدمی سے نہ رہا گیا۔ ایک مرتبہ راستے میں پکڑ کر بولا امیر المومنین! اللہ نے آپ کو سب کچھ دیا ہے۔ آپ اچھا لباس تیار کرا لیجیے!

دیر تک سر جھکائے خاموش رہے پھر سر اٹھا کر فرمایا ۔۔۔ مالداری اور خوشحالی میں سنبھل کر رہنا اور قدرت اور حکومت حاصل ہو تو معاف کر دینا زیادہ افضل و برتر ہے۔

بنو امیہ کے خلفاء کا دستور تھا کہ تین سو دربان اور تین سو پولیس کے سپاہی ہمیشہ امیر المومنین کے محل پر حاضر رہتے۔ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوتے تو فرمایا۔ مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں۔ خدا میری حفاظت کرے گا اور موت کی یاد گناہوں سے بچائے گی۔ خدا مجھے اقتدار کے ان فتنوں سے محفوظ رکھے

---

بقیہ: افکار و تاثرات

واقع ہیں۔ ایک طرف تو ایرانی حکومت شیعہ سنی اتحاد کی بات کرے اور دوسری طرف یہ امتیاز روا رکھے۔ ایرانی حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اہل سنت کے اس مقام مقدسہ کی حرمت کو محفوظ رکھے۔

(عبید اللہ۔ راولپنڈی)

★ **برما میں مسلمانوں کی حالت زار** برما میں مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کی کوشش کے سلسلہ میں برمی حکومت نے مسلمان آبادیوں میں وفد کی شکل میں آئے ہوئے اجلاس بلا بلا کر تقریریں کر رہے ہیں کہ تم برمی حکومت کے یعنی بدھسٹ کے اپنے شادی بیاہ کا رشتہ قائم کرو۔ اور اپنی مساجد کی تعمیر کم کرو۔ بلکہ کہتا ہے کہ ایک تھانہ کی حدود میں ایک ہی مسجد ہو۔ اور اپنے بچوں کو بدھسٹ بچوں کے ساتھ ملنے جلنے کی تربیت دو۔ اور تم بھی ہمارے ساتھ مل جل کر رہو۔ چونکہ مسلمان مسلمان ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے دارالعلوم اور مکتبوں پر پابندی لگا دی ہے کہ اسلامی تعلیم کے لیے کہیں نہیں جا سکتے۔ قریبی شہر کے دارالعلوم تک بھی جانے کی اجازت نہیں ہے۔ برمی حکومت نے مسلمانوں کے خلاف یہ ناپاک منصوبہ بنایا ہے کہ مسلمان برما کے باشندے نہیں۔ حالاں کہ تاریخ شاہد ہے کہ ۸۰۰ ہجری سے مسلمان وہاں آباد ہیں۔ اور مغلوں کے دور سے برما میں مسلمان رہ رہے ہیں۔ برٹش گورنمنٹ نے برما کو آزادی دی تو مسلمان بھی برابر کے شریک تھے۔ مسلم اقلیت کے علاقوں میں مساجد کو شہید کر دیا گیا ہے۔ ۱۹۶۰ء سے حج پر بھی پابندی عائد ہے۔ مسلمان بچوں کو مذہبی تعلیم حاصل کرنے کی کوئی سہولت نہیں اور نہ ہی مسلمانوں کو ملازمت ملتی ہے۔ غرض کہ مسلمانوں پر مذہبی، ثقافتی، معاشرتی، اور سیاسی ہر قسم کی پابندی ہے۔ (عبدالقدوس مجاہد۔ کراچی)

حافظ محمد ابراہیم صاحب فانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

# اشکِ خون!

## حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب قدس سرہ کی وفات پر

کیا دکھاتا ہے کرشمے چرخِ گردوں ہائے ہائے — روز آتے ہیں غموں کے سیل و طوفاں ہائے ہائے

ن کی خاطر رونقِ دنیا و دیں باقی رہی — ہو گئیں وہ ہستیاں مٹی میں پنہاں ہائے ہائے

شیخ لاہوری کے وہ فرزند دلبند ارجمند — چل دیے ہیں جانبِ گورِ غریباں ہائے ہائے

پھلا پھولا تھا اسلاف کے آغوش میں — حضرتِ سندھی کے تھے وہ نورِ چشماں ہائے ہائے

گی کی وقف اپنی خدمتِ دیں کیلئے — کیوں نہ ہوں گے ان پہ ہم یوں اشک افشاں ہائے ہائے

ن کی خاطر کس قدر جھیلے مصائب آپ نے — ہو گئے تھے بارہا پابندِ زنداں ہائے ہائے

یت سے جو ٹکرایا ایوبی دور میں — حق پرستی سے ہوئے تھے خوں میں غلطاں ہائے ہائے

برِ اندام رہتے ان سے ظالم حکمراں — اہلِ باطل اس سے تھے لرزاں و ترساں ہائے ہائے

پر اس کی ہو ہر دم رحمتِ حق کا نزول — ہے خدایا یہ دعائے دلفگاراں ہائے ہائے

جن کی رحلت سے ہے اے فانی فضا ساری اداس
کس قدر بے کیف ہے یہ رنگِ دوراں ہائے ہائے

مولانا محمد رابع حسنی ندوی

# خاندانی تربیت کے اثرات

خاندانی نظام تربیت میں لڑکے کی جو تربیت کردی جاتی ہے اس کے اثرات اخیر عمر تک باقی رہتے ہیں۔ وہ نسبتاً زیادہ پختہ اور راسخ ہوتے ہیں۔ اس لئے ماں باپ کی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ کہ لڑکے کے اخلاق ورجحانات کی صحیح تشکیل کی طرف توجہ دیں، کیونکہ خاندان کے اندر بڑوں کی طرف سے بے توجہی ایسی کمزوریاں اور خرابی پیدا کرتی ہیں جن کی اصلاح بعد میں بڑی کوششوں سے بھی پوری نہیں ہو پاتی۔

**بچہ کی صلاحیت استفادہ** خاندان کے اندر تربیت کا کام زیادہ دشوار بھی نہیں ہوتا۔ کیوں کہ لڑکا عمر کی ایسی منزلوں میں ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشاہدات اور سادہ قسم کے تجربات پر ہی تکیہ کرتا ہے۔ اور ان سے پیدا کرنے والے اثرات بتمام جذب کرتا رہتا ہے۔ تو اگر گھر کا ماحول اچھا ہو۔ ماں باپ محتاط اور کسی نہ کسی حد تک مثالی زندگی گذارتے ہوں تو تنہا یہی بات لڑکے کے لئے تربیت کا ایک بڑا ذریعہ بن جاتی ہے۔ لڑکا اپنی ماں اور اپنے باپ کو دنیا کا سب سے بڑا اور مکمل اعلیٰ خصوصیات کا حامل سمجھتا ہے۔ اس لئے اس کے لئے وہی نمونہ اور آئیڈیل ہوتے ہیں۔ لڑکے کے ان مذکورہ بالا احساسات وتاثرات کے راستے سے اس کو جو باتیں بتائی جاتی ہیں اور جو راہ نمائی کی جاتی ہے وہ پوری طرح موثر اور خشک زمین میں موسم کی پہلی بارش کی مانند ثابت ہوتی ہے۔

**خدا سے تعلق** انسانی تربیت کے لئے دو باتیں بہت اہم ہیں۔ ایک خوف اور اطاعت رب اور دوسرے تعلق ولحاظ والدین۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ اخلاقی ودینی اصلاح کے لئے شرک کی ممانعت کے ساتھ والدین سے سلوک کا ذکر آیا ہے۔

ان لا تشرک باللہ وبالوالدین احسانا۔ ہمارے ساتھ شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ۔

اور انسانی زندگی میں اگر جائزہ لیا جائے تو یہی دو مرکز معلوم ہوں گے جن کے اثر و مدد سے آج انسان کی زندگی باقی ہے۔ خدا نے پیدا کیا اور پھر زندہ رہنے کے ضروری اسباب مہیا فرمائے۔ یہ کھانا، یہ پینا، یہ حفاظت اور سردی و گرمی سے بچنے کے سب سامان خدا کے پیدا کئے ہوئے اور خدا کی طرف سے مہیا کئے ہوئے ہیں۔ اگر وہ مٹی نہ پیدا کرتا اور پانی مہیا نہ فرماتا تو تخلیق آدم کے ساتھ ساتھ اولاد آدم کی بقا کے لئے غذا کس طرح

مہیا ہوتی۔ پھر خدا نے انسان کی ضرورت اور حفاظت کے تمام ضروری سامان اس زمین پر رکھے۔ ورنہ چاند، مریخ اور اس طرح کے دوسرے کرّوں میں یہ کوئی چیز نہیں پائی جاتی۔ وہاں بالفرض محال کوئی مخلوق اتاری جاتی تو اس کی تھوڑی بقا بھی مشکل ہے۔ کیوں کہ وہاں نہ ہوا ہے نہ پانی۔ نہ قابل استفادہ زمین۔ لیکن ہماری زمین پہ نہ صرف یہ کہ ہوا اور پانی موجود ہے بلکہ اس کی مقدار انسان کی ضرورتوں کے عین مطابق بلکہ کچھ زائد ہی ہے تاکہ دشواری نہ ہو۔

پھر صحت اور خطرات سے بچنے کے مسائل ہیں۔ ایک مومن تو بہر حال اس پر یقین رکھتا ہے کہ رب العلمین کی خصوصی نصرت و مدد نہ ہو تو چند لمحات بھی صحت و زندگی کی بقا مشکل ہے۔ تو سب سے قبل رب العلمین کا احسان ماننا اور اطاعت کرنا ضروری ہے۔ اسی لئے قرآن مجید جو کہ کتاب ہدایت و تربیت ہے سب سے پہلے اسی کی تاکید کرتا ہے۔ کہ لا تشرکوا باللہ اور حضرت لقمان اپنے بیٹے سے خطاب کرتے ہیں۔

یا بنی لا تشرك باللہ ان الشرك لظلم عظیم اے میرے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ شرک بڑا ظلم ہے۔

والدین سے تعلق | شرک سے بچنے کے متصل بعد تاکید آتی ہے۔ وبالوالدین احسانا اور تاکید آتی ہے کہ ولا تقل لہما اف ولا تنهرهما وقل لهما قولا کریما۔ ان سے اف بھی نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو ان سے نرم اور اچھی بات اور جب ماں باپ کی اطاعت رب العالمین کی اطاعت سے ٹکرا رہی ہو تو وہاں بھی درمیانی طریقہ اختیار کرنے کی تاکید کی۔

وان جاهداك علی ان تشرك بی مالیس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفا اور اگر وہ تم سے کوشش کریں کہ تم شرک کرو تو ان کی اطاعت نہ کرو۔ لیکن ان کے ساتھ رہو۔ دنیا میں اچھے طریقے سے۔

گھر کے ماحول میں جو کہ قوم کے ماحول کی بنیادی اور مختصر ترین وحدت ہوتی ہے سب سے قبل لڑکے کا دماغی اور جذباتی تعلق خدا اور ماں باپ سے جوڑنا چاہیے۔ خدا سے اصلاً اور بنیادی اور ماں باپ سے اس کے بعد اور دیگر تعلقات دنیا کے مقابلہ میں اول اور ترجیحی۔

دونوں باتوں کے دوررس اثرات | یہ دو قسم کا تعلق اگر لڑکے کے دماغ میں راسخ ہو جاتا ہے تو صرف یہی نہیں کہ دونوں کے احسانات کی قدر و احسان مندی ہوگی بلکہ مستقبل کی پوری زندگی میں قدم قدم پہ حفاظت اور وابستگی کی ضامن ہوگی۔

اخلاقی اور دینی معاملات میں خدا کا تعلق و خوف انسانی درستگی اور اس کے لئے اصل رہنمائی او

محرک ہوتا ہے۔ اجتماعی و انفرادی معاملات میں ماں باپ اور ان کی غیر موجودگی میں ان کے نائبین کی رہنمائی اور روک حفاظت کرتی ہے۔

اس سے لیے سب سے اوّلین تعلق و وابستگی خدا سے اور پھر اپنے والدین سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کے لیے ضروری ہے۔

**دونوں پر زور دینے کی ضرورت** ماں باپ کو لڑکوں کی تربیت میں ان دو بنیادوں کو پختہ کرنے کی طرف توجہ دینی چاہیئے۔ بچہ کے چھوٹے ذہن کو سامنے رکھتے ہوتے اس کو بتانا چاہیئے کہ سب کو پیدا کرنے والا خدا ہے انسان کو اور دنیا کو بنانے والا خدا ہے۔ رزق دینے والا اور زندگی دینے والا خدا ہے۔ خدا سے محبت کرنا چاہیئے کیونکہ اسی نے سب کچھ دیا ہے۔ اور اسی سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ غلطی پر وہ پکڑ سکتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ والدین اور بڑوں کی عزت اور ان کی اطاعت کا جذبہ پیدا کرنا چاہیئے۔

**اچھا بننے کی تشویق** ان بنیادی باتوں کے بعد اچھا بننے کا شوق اور برا بننے سے نفرت پیدا کرنا چاہیئے اور اس سلسلہ میں اچھے لوگوں کے قصے اور ان کے اچھے ہونے کی وجہ سے ان کی محبوبیت اور عزت کا تذکرہ کرنا چاہیئے اور برے لوگوں کی مبغوضیت اور رسوائی کے واقعات بتانا چاہیئے۔ چونکہ انسان کی فطرت میں پسندیدہ کی نقل اور ناپسندیدہ سے گریز کا جذبہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ واقعات اس کی تربیت و تشکیل میں بہت کارآمد ہیں۔ اس ضمن میں سچ بولنے کی خوبی اور اس کے واقعات جھوٹ سے نفرت اور جھوٹ کے نتائج بد بتانا چاہیئے۔ ظلم سے نفرت۔ بڑوں کا ادب و احترام۔ چھوٹوں پر شفقت۔ یہ سب وہ باتیں ہیں جو قصوں، چٹکلوں اور لطیفوں میں بتائی جاسکتی ہیں۔ اور چھوٹی عمر میں یہ باتیں اگر دل میں اتر جائیں تو ان کا نقش زندگی بھر باقی رہتا ہے۔ انبیاء اور بزرگوں کے واقعات اس چھوٹی عمر میں بہت سی باتوں کی نمائندگی کر لیتے ہیں اور اچھی باتیں قصے اور واقعات کی شکل میں بڑی نفسیاتی تاثیر رکھتی ہیں۔

**تربیت دینے والوں کی زندگی** ماں باپ اور گھریلو زندگی میں تربیت و رہنمائی کا مقام رکھنے والے بڑوں کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ خود ان کی عملی زندگی ان باتوں کے برعکس نہ ہو جن کی وہ تلقین کرنا چاہتے ہیں ورنہ بچہ باوجود محدود ذہنی صلاحیت کے اس تضاد کو محسوس کر سکتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کی تربیت کی نیک تمنائیں پوری نہیں ہوسکیں گی۔

**معلومات عامہ** بچہ کچھ بڑا ہو جائے اور اس کے ذہن کی محدودیت کم ہونے لگے تو اس کو زندگی دیگر اچھا بنانے والی باتوں کی طرف بھی متوجہ کرنا چاہیئے۔ اور اس ضمن میں ان کی محبوبیت اور عزت کا تذکرہ کرنا چاہیئے اور برے لوگوں کی مبغوضیت اور رسوائی کے واقعات بتانا چاہیئے۔ چونکہ انسان کی فطرت میں پسندیدہ کی

نقل اور ناپسندیدہ سے گریز کا جذبہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ واقعات اس کی ترتیب و تشکیل میں بہت اور بلند تصورات کو پختہ کرنے میں بھی معاون ہوتی ہیں۔ خدا کی قدرت و عظمت پر ایمان بڑھتا اور پختہ ہوتا ہے۔

**ملنے جلنے کے آداب و دیگر امور** | بچہ جب گھر سے باہر کے ماحول سے واقف اور وابستہ ہونے لگتا ہے تو اس وقت اس کو یہ بتایا جانے کی ضرورت ہے کہ دوسروں سے ملنے اور معاملہ کرنے کے کیا آداب ہوتے ہیں عزیزوں، پڑوسیوں، مہمانوں، دوستوں، بڑوں اور چھوٹوں غرض کہ اجتماعی زندگی میں آنے والے مختلف اقسام کے معاملہ میں آدمی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ سب بتانا گھر کے اندر کی تربیت کا ضروری فرض ہے اس مرحلہ میں زبان و ثقافت عامہ کی ضروری باتیں بھی بتانا چاہیئے۔ لیکن ان تمام امور میں بچہ کے محدود ذہن اور اس کے عقائد و تصورات سے مناسبت رکھنے کا لحاظ ضروری ہے۔

لڑکا جب مدرسہ جانے لگے اور اس کے سیکھنے اور تربیت پانے کے ذرائع گھر سے وسیع ہو کر عام معاشرہ تک وسیع ہو جائیں تو بھی گھر کی تربیتی ذمہ داری ختم نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ باہر کے ذرائع کے ساتھ قائم رہتی ہے۔ گھر کا کام اس مرحلہ میں بھی برابر نگرانی اور خیال رکھنے کا رہتا ہے۔

**قرآن و حدیث سے وابستگی** | قرآن مجید جو انسانی تربیت کی سب سے وسیع اور جامع کتاب ہے اور حدیث شریف میں جو قرآن مجید کی تشریح و توضیح ہے مستقل تربیت گاہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے گھر کا ماحول ہو یا مدرسہ یا معاشرہ کے کسی دیگر تربیتی وسیلہ کا لڑکے اور بڑوں دونوں کے لئے یہ بہت مفید اور ضروری ہے اور اس کا ربط اس وسیع اور جامع ذریعہ تربیت سے قائم کر دیا جائے۔ اس کی تلاوت اور اس کو سمجھنے اور اثر لینے کی صلاحیت کرنے کی پیدا کر دی جائے۔ تو زندگی خود بخود تربیت حاصل کرنے کا سلسلہ قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی گھر کی تربیت کی بنیادی ذمہ داری ہے۔ اس کی اساس بھی وہیں قائم کی جانا چاہیئے۔

**گھر سے تعلق کا تسلسل** | گھر کی تربیت کا کام یہ بھی ہے کہ بچہ کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ بعد میں بھی اپنے گھر سے کسی حد تک وابستگی رکھے۔ اور اپنی رہنمائی کے لئے وہاں سے اشارے کرتا رہے۔ اس طرح پر ابتدا سے اختتام تک ایک مرکز تربیت سے اس کی وابستگی برابر قائم رہ سکتی ہے۔ اور یہ بات اس میں ذہنی اور ثقافتی اور ذوقی یک جہتی پیدا کرنے میں معاون ہے۔
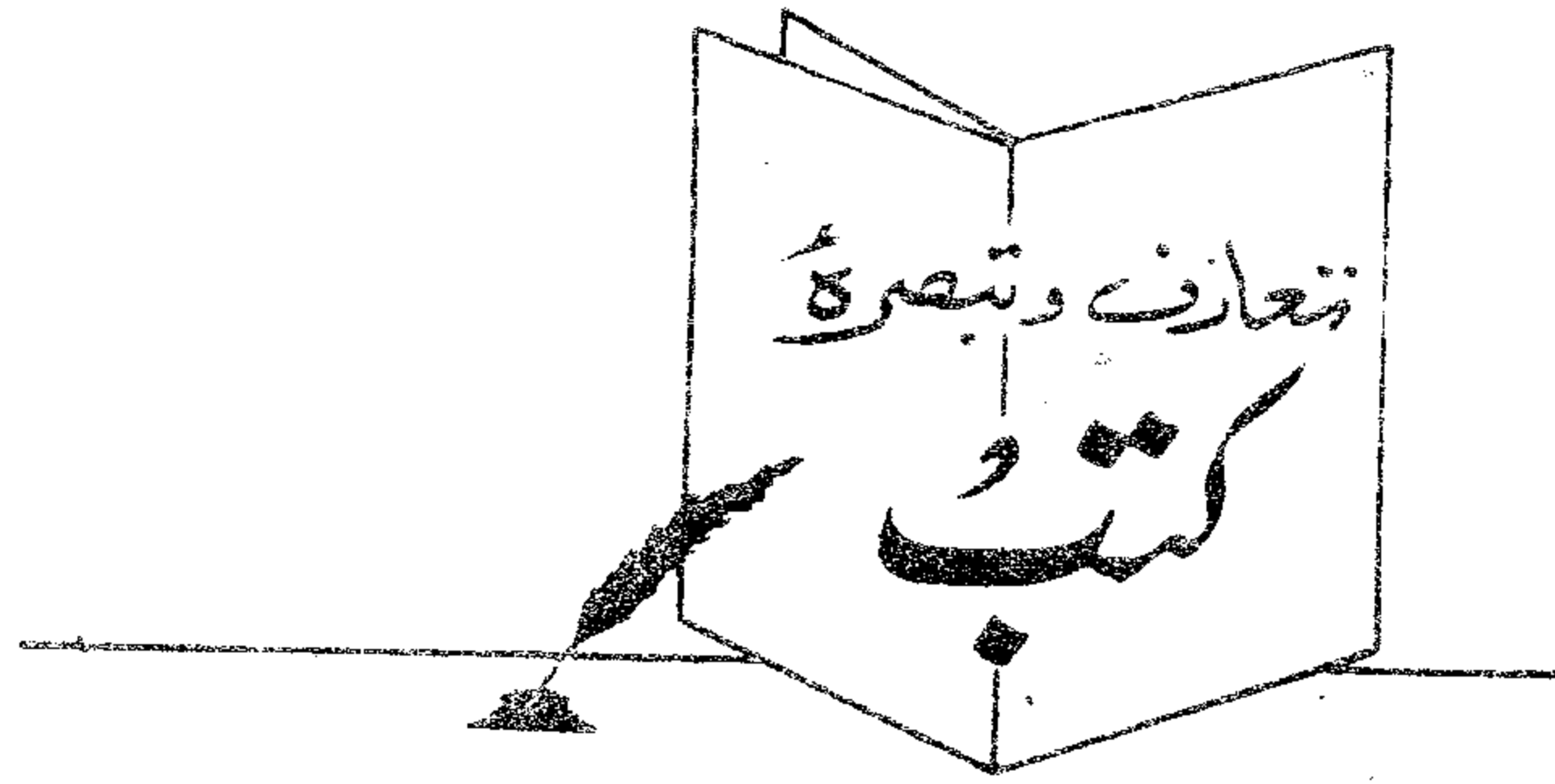
**خلاصہ مضامین قرآن** | مرتب۔ مولانا ملک عبدالروف۔ نظر ثانی، حافظ نذر احمد۔ ناشر، مسلم پاک اکادمی فضل مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ صفحات چار سو۔ قیمت تینتیس روپے۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا آخری پیغام ہے اور رہتی دنیا تک بنی نوع انسان کی ہدایت اسی کتاب الٰہی سے وابستہ ہے۔ اس ایمان و یقین کے تحت قرآن کی تعلیم و تفہیم کے لئے جو اقدام بھی کیا جائے لائق صد تحسین ہے۔ قرآن حکیم کے انڈکس ہوں یا مختلف زبانوں میں اس کے تراجم، اس کے مضامین پر مبنی کتابچے ہوں یا چارٹ، اس کی تفاسیر لکھی جائیں یا خلاصے تیار کئے جائیں ہر کام مفید ہے۔

نماز تراویح میں مسلمان کم از کم سال میں ایک بار پورا قرآن سن لیتے ہیں۔ اگر وہ زبان قرآن سے واقف ہیں تو تذکیر کا حق ادا ہو جاتا ہے مگر عربی زبان سے ناواقف لوگوں کے لئے قرآنی مطالب ان کی زبان میں بیان ہوں تو فائدہ بڑھ جاتا ہے۔ کچھ عرصے سے علماء نے اس طرف توجہ دی ہے کہ نماز تراویح سے پہلے یا دوران میں قرآن کا جتنا حصہ پڑھنا مقصود ہوتا ہے اس کا خلاصہ بیان کر دیتے ہیں۔

مولانا ملک عبدالروف نے مذکورہ بالا ضرورت کے تحت "خلاصہ مطالب قرآن" مرتب کیا اور اس سے خاطر خواہ فوائد حاصل ہوتے دیکھے اب زیر نظر کتاب کی صورت میں افادہ عام کے لئے پیش کیا گیا ہے۔ مولانا موصوف زبان و ادب پر عبور رکھتے ہیں، ثقہ عالم دین ہیں اور ان کی عمر کا ایک حصہ علوم اسلامیہ کی تدریس میں بسر ہوا ہے۔ ان کی زیر نظر کاوش میں ان کے علم و تجربہ کی جھلک موجود ہے۔

جناب حافظ نذر احمد نے کتاب پر نظر ثانی کی ہے اور ترتیب و تدوین میں مزید حسن پیدا کیا ہے۔ ہر رکوع کا خلاصہ آٹھ تا سولہ سطروں میں بیان کیا گیا ہے۔ اور ہر رکوع کے مضامین کے لحاظ سے مناسب عنوان تجویز کیا ہے۔ زبان سادہ اور رواں ہے جس سے کم تعلیم یافتہ افراد اور طلبہ بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔ (اختر راہی)

**شاہ اسمٰعیل شہید اور ان کے ناقد** | از مولانا اخلاق حسین کاظمی۔ قیمت مجلد ۲۱ روپے۔ غیر مجلد ۱۸ روپے پتہ سنی پبلی کیشنز۔ الوہاب مارکیٹ۔ اردو بازار۔ لاہور ۲

انگریزی سامراج کے تسلّط کے زمانہ میں جب علماء امت وصلحاء ملّت نے آزادی کی جدوجہد کا آغاز کیا تو عیار و مکار دشمن نے قوم کو رہبروں سے بدگمان کرنے کی خاطر ان کے خلاف پروپیگنڈے کی مکروہ مہم چلائی۔ خانوادۂ ولی اللہی کے روحانی فرزند سید احمد شہید اور حضرت شاہ صاحب کے پوتے شاہ اسمٰعیل شہید ان کا نشانہ تھے۔ بعض سادہ لوح مسلمان انگریز کی اس چال کا شکار ہو گئے۔ اس زمانہ سے آج تک ان زعمائے ملّت کے خلاف ایسی زبان استعمال کی جا رہی ہے کہ توبہ بھلی!

زیر نظر کتاب میں اس قسم کی سازش کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب کی بابت جو تازہ خرافات شائع کئے گئے ہیں اس کا بروقت نوٹس لیا گیا ہے اور مصنف نے الزامات کی حقیقت کو آشکارا کیا۔ اولاً یہ کتاب ہندوستان میں چھپی۔ اب مولانا سعید الرحمٰن علوی کے پرمغز مقدمہ کے ساتھ سنی پبلیکیشنز نے پاکستان میں شائع کر دی ہے۔ کاغذ عمدہ، جلد سنہری ڈائی دار اور دیدہ زیب ہے (ع ق ح)

| خلافت صدیق اکبر اور تحریک ختم نبوت | از حافظ ارشاد احمد دیوبندی۔ صفحات ۶۲۔ قیمت ۱۰ روپے |
|---|---|

مدعیان نبوت کاذبہ کے دجل و تلبیس کو طشت از بام کرنے والا معلوماتی کتابچہ اور عہد صحابہ میں تحریک ختم نبوت کے ایمان افروز لہروں کی تاریخ۔

پتہ: افضل حق لائبریری۔ ظاہر پیر ضلع رحیم یار خان۔

| اربعین نبوی | از مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچوی۔ صفحات ۵۲۔ قیمت ۳ روپے |
|---|---|

اربعینات نبوی میں ایک مفید اور موثر اضافہ۔ مع مختصر اور جامع تشریح۔ ایک جید عالم، روحانی اور صاحب دل بزرگ کی قلم سے۔

پتہ۔ حافظ محمد نسیم مدرس و ناظم مدرسہ عربی نجم المدارس کلاچی۔ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

| خاتم الانبیاء | از مولانا عبدالودود قریشی۔ صفحات ۳۲۔ قیمت ۶ روپے |
|---|---|

مرزا غلام احمد قادیانی اور فتنہ مرزائیت کا لاجواب علمی تجزیہ۔ مختصر مگر جامع اور معلوماتی، ہر طبقہ کے لئے یکساں طور مفید۔

پتہ۔ الاشرف پبلیکیشنز۔ جامعہ اشرفیہ۔ پشاور

| ذیابیطس کا علاج۔ طب قدیم وجدید کی روشنی میں | مرتبہ حکیم سید اصغر علی شاہ صاحب۔ صفحات ۳۰ |
|---|---|

ذیابیطس کے آغاز اور علاج کے مختلف مراحل اور ادوار سے گذرنے پر مختصر مگر معلوماتی کتابچہ۔

پتہ۔ مکتبہ تندرستی۔ گلی ۶ بابو بازار۔ صدر راولپنڈی (ع ق ح)
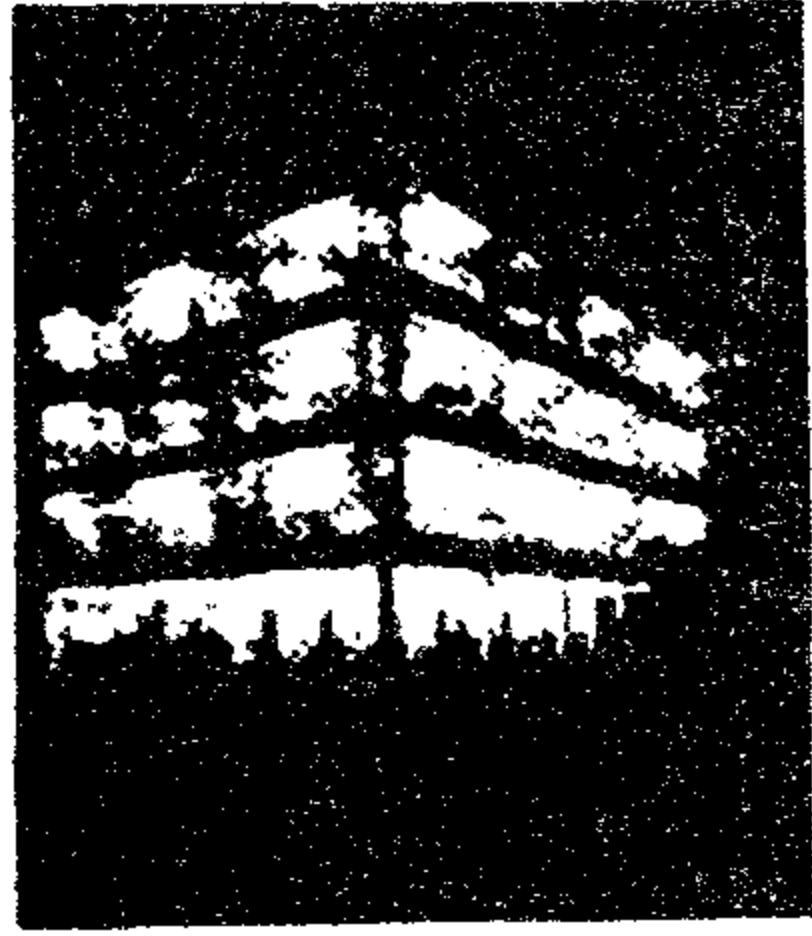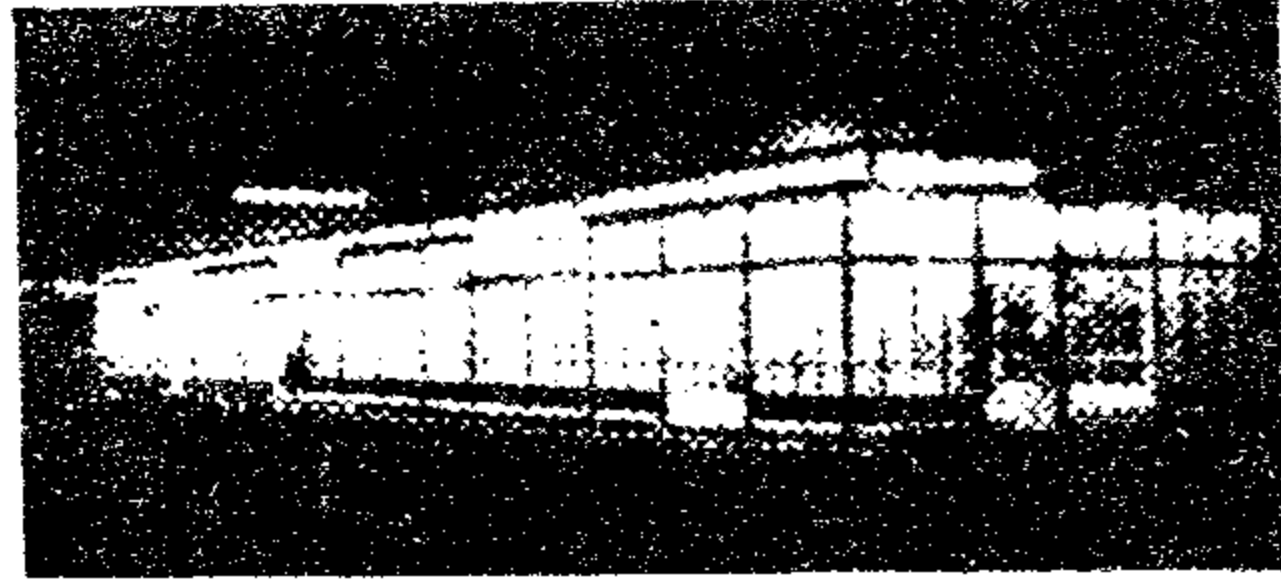
# مُلک کا مایۂ ناز مشروب، دیس دیس مرغوب

لُو گرمی اور تپش کی شدت سے جب جسم نڈھال اور جان بے حال ہو جائے تو پیاس بجھنے کا نام نہیں لیتی۔

مشرق کے حکما نے صدیوں کی جستجو اور تجربوں کے بعد ایسی جڑی بوٹیاں دریافت کیں جن میں انسان کے جسمانی نظام کو ٹھنڈک اور تازگی پہنچانے والے موثر اجزا شامل ہیں۔
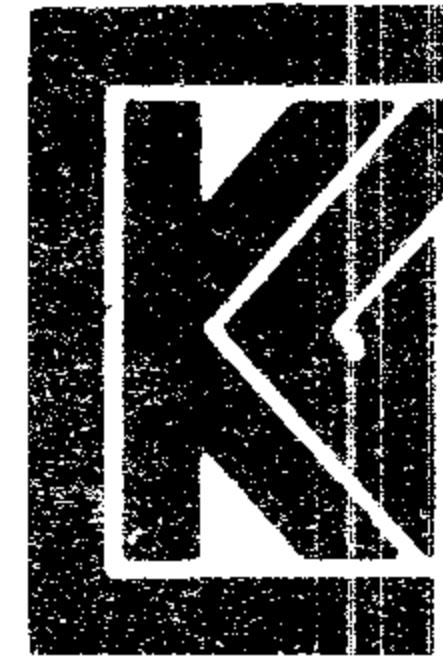
رُوح افزا اسی مسلسل تحقیق کا حاصل ہے۔ یہ قدرتی جڑی بوٹیوں، پھولوں اور پھلوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ اسی لیے کوئی دوسرا مشروب اس کا ثانی نہیں۔

رُوح افزا ایک خوش ذائقہ، خوش رنگ اور پرتاثیر مشروب ہے جو جسم و جاں کو فرحت پہنچا کر فوری پیاس بجھاتا ہے اور تر و تازگی لاتا ہے۔

بے شک ۔ بے مثال

## رُوح افزا

مشروبِ مشرق

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آفیشل مشروب

ورلڈ اوپن اسکواش چیمپین شپ

۱۹۸۴

آوازِ اخلاق

جب لوگوں کو اچھا کام کرتے دیکھو تو اُن کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔

Adarts HRA 1/I

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سُہراب


ایگل
ایک عالمگیر
قلم
EAGLE
خوشخط
رواں اور
دیرپا
اسٹیل
کے
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
EAGLE IRIDIUM
ہر
جگہ
دستیاب
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ